بیاد: حضرت الحاج حافظ عبدالستار صاحب عزیزیؒ

دینی، دعوتی، علمی، ادبی، تحقیقی، فکری اور اصلاحی ترجمان

ماھنامہ نقوش اسلام

Issue.No.5,6	August,September2019-اگست/ستمبر۲۰۱۹ء	VOL.No.14

مجلس سرپرستان

مرشدالامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
ولی مرتاض حضرت مولانا سید مکرم حسین سنسارپوری
شیخ طریقت حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی
نمونۂ سلف حضرت مولانا سید محمد سلمان مظاہری

مجلس مشاورت

مولانا سید الرحمٰن اعظمی ندوی — مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی
مولانا سید الرحمٰن فیضی ندوی — مولانا محمد اکرم ندوی
مولانا محمد عامر صدیقی ندوی — الحاج موسیٰ اسماعیل درسوت
مولانا محمد احمد صالح جی، — مولانا حسن مرچی
مولانا یحییٰ بام، مولانا رشید احمد ندوی، مولانا محمد منذر ندوی

مجلس ادارت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی ❁ مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری ❁ مولانا حمید اللہ قاسمی کبیرنگری

چیف ایڈیٹر

محمد مسعود عزیزی ندوی

مدیر انتظامی

ڈاکٹر مرغوب عالم عزیزی

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

NUQOOSH-E- ISLAM
MUZAFFARABAD.SAHARANPUR.247129
(U.P)INDIA.Cell.09719831058
E.mail : nuqooshe_islam@yahoo.co.in
masoodazizi94@gmail.ocm
www. nuqoosheislam.com , www. mifiin.org
ماہنامہ ''نقوش اسلام''مظفرآباد، سہارنپور 247129 (یوپی) انڈیا

شرح خریداری

ہندوستان کے لیے

فی شمارہ........................۲۰/روپئے
سالانہ........................۲۴۰/روپئے
خصوصی....... ....۵۰۰۰/روپئے
ایشیائی، یورپی افریقی وامریکی ممالک کے لیے ۵۰/ڈالر

رسالہ کے جملہ امور سے متعلق اس نمبر پر رابطہ کریں: 09719639955

Markazu Ihyail Fikril Islami , A/C No. 30416183580,S.B.I
Monthly Nuqoosh-e-Islam, A/C No. 30557882360,S.B.I

منیجر توسیع واشاعت: قاری محمد صالحین
Mob: 09813806392

PRINTED, PUBLISHED AND OWNED: MD FURQAN
PRINTEDAT LUXMI PRINTING PRESS SAHARANPUR
EDITOR: MD FURQAN

iles\A017.TI not found. Files\A025.TIF not found. iles\A017.TI not found.

اس شمارے میں

عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ		
حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ	محمد مسعود عزیزی ندوی	۳
ادبی شہ پارے		
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے دعوتی خطبات......	مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی لکھنؤ	۷
فکر وعمل		
موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داری	مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، برطانیہ	۱۴
رہنمائے طلبہ		
طلبہ تحریک کو درپیش چیلنجز	عبدالحمید اطہر ندوی، بھٹکل	۱۸
جائزہ		
مغربی تہذیب کی مسلسل ناکامی اور ذرائع ابلاغ	شیخ محمد عدنان علی نحوی، مصر	۲۲
احساسات		
کشمیر کی حالت زار پر رحم کھائیے!	حمید اللہ قاسمی کبیر نگری	۲۶
یاد رفتگاں		
مولانا عبدالواجد رشیدی ندویؒ	محمد مسعود عزیزی ندوی	۲۸
تاریخ کے جھروکے		
جابر بن حیان	محمد سراج الدین، بنگلور	۳۱
نقوش رفتگاں		
کچھ ایسے ہیں جو مر کر بولتے ہیں	مولانا کبیر الدین فاران، ہماچل	۳۴
عادات واخلاق		
مفتی نسیم احمد فریدی-اخلاق وعادات	فخر الاسلام امروہوی	۳۸
فکر وعمل		
حوض کوثر امت محمدیہ کیلئے ایک عظیم نعمت	مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری	۴۶

ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کے لئے شرح اشتہار

ٹائٹل صفحہ آخر رنگین	(فل سائز)	۳۰۰۰............
// // اول اندرونی	// //	۲۵۰۰............
// // آخر اندرونی	// //	۲۰۰۰............
صفحہ اندرونی	(فل سائز)	۱۰۰۰............
آدھا صفحہ اندرونی		۶۰۰............
¼ صفحہ //		۴۰۰............

اس دائرے میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ اسی رسالہ کے ساتھ آپ کی سالانہ مدت خریداری پوری ہو رہی ہے، لہٰذا آئندہ کے لیے جلد ہی زر تعاون مبلغ ۲۴۰؍ روپئے ارسال فرمائیں، تاکہ رسالہ کو جاری رکھا جاسکے۔ (ادارہ)

نوٹ: شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں، ہر قسم کی چارہ جوئی کا حق صرف عدالت سہارنپور کو ہی ہوگا۔

پرنٹر پبلیشر: محمد فرقان نے لکشمی آفسیٹ پریس سہارنپور میں طبع کرا کے دفتر ماہنامہ نقوش اسلام مظفر آباد سے شائع کیا

کمپوزنگ: عزیزی کمپیوٹر سینٹر: مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد، سہارنپور، یوپی (الھند)

اداریہ

سرپرست نقوش اسلام
حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ
کی مدیر نقوش پر شفقتیں

محمد مسعود عزیزی ندوی

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی فرزند ارجمند حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ اپنے والد ماجد کے جانشین تھے، وہ ذاکر وشاغل اور اپنے معمولات کے پابند تھے، زائرین، محبین، متعلقین اور مریدین روزانہ ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان کی زیارت وملاقات سے مستفید ہوتے اور ان کے معمولات میں شریک ہوتے، اور وہ سب کے ساتھ ان کے مقام ومرتبہ کے حساب سے پیش آتے، اور ان کی ضیافت کرتے، سارے ہی اکابر ان سے تعلق رکھتے اور ان کا لحاظ کرتے، چونکہ وہ حضرت شیخ کے اکلوتے فرزند تھے، اور مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست۔

✿✿✿✿✿ ——— ✿✿✿✿✿

راقم سطور پر ان کی شفقتیں طالب علمی کے زمانے سے ہی تھیں، جب احقر پڑھنے کیلئے ندوۃ العلماء لکھنؤ جاتا، تو وہ سفر کے لئے کھانے کا انتظام کرتے، اس زمانہ میں اکثر لکھنؤ کا سفر نوچندی ایکسپریس سے ہوتا تھا، جو شام کو پانچ بجے سہارنپور سے چلتی تھی اور صبح فجر کے وقت لکھنؤ پہنچتی تھی، تو ظہر کے بعد حضرت مولانا طلحہ صاحب اور حضرت شیخ یونس صاحب سے ملاقات کرکے ہی لکھنؤ کا سفر کرتا تھا، اس وقت حضرت مولانا طلحہ صاحب کھانے میں روٹی، کباب وغیرہ کا بندوبست کرکے بھیجتے، اور دعائیں دیتے اور کبھی آنے جانے میں تاخیر ہوجاتی تو ناراضگی کا اظہار بھی کرتے۔

✿✿✿✿✿ ——— ✿✿✿✿✿

جب زمانہ طالب علمی ۱۹۹۷ء میں بندہ کی کتاب ''حیات عبدالرشید'' چھپ کر آئی، جو میرے شیخ اول حضرت حافظ عبدالرشید صاحب رائے پوری (م ۱۹۹۶ء) خلیفہ وخادم خاص حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (م ۱۹۶۲ء) کے حالات وسوانح اور کارناموں پر مشتمل ہے، وہ کتاب جیسے ہی حضرت مولانا طلحہ صاحب کو پیش کی، لیکر پڑھنے لگے اور کافی دیر کے بعد سر اٹھایا اور فوراً فرمانے لگے کہ ہمارے دادا حضرت مولانا محمد یحیٰؒ صاحب کاندھلویؒ کی سوانح حیات بھی لکھئے، راقم نے اس کیلئے ہاں کرلی، یہ بات ۲۲ر محرم ۱۴۱۸ھ مطابق ۳۰ر مئی ۱۹۹۷ء جمعہ کے روز کی ہے، چنانچہ ناکارہ کتاب کی ترتیب وتسوید میں لگ گیا اور ایک سال کے عرصے میں ۶ر صفر ۱۴۱۹ھ مطابق ۲ر جون ۱۹۹۸ء منگل کو یہ کتاب مکمل ہوئی، جس کی فہرست پہلے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد یونس صاحبؒ نے دیکھ کر بعض جگہ تصحیح فرمائی، پھر حضرت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اس پر مقدمہ تحریر کیا، اس کے بعد محی السنۃ حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئیؒ نے اس پر اپنے کلمات عالیہ تحریر فرمائے، اس کے بعد حضرت مولانا عبداللہ عباس صاحب ندویؒ مشرف تعلیمی ندوۃ العلماء و پروفیسر ام القری یونیورسٹی مکہ مکرمہ نے اپنے تأثرات لکھے، پھر حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب نے عرض ناشر کے عنوان سے مندرجہ ذیل مضمون تحریر فرمایا:

اللہ پاک کا ارشاد ہے:"یاایھا الذین آمنوا اتقوا اللّٰہ و کونوا مع الصادقین"اس آیت میں مومنوں کو اللہ تعالی سے ڈرنے اور سچوں کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، بے شک نیکوں اور پاکبازوں کی صحبت انسان کو خداترس بناتی ہے، اور اس کو کامیابی سے ہمکنار کردیتی ہے، زندہ صالحین کی مجالست وصحبت جس طرح زندگیوں میں انقلاب پیدا کرتی ہے، اسی طرح اس دار فانی سے کوچ کر جانے والے صلحاء کے حالات، واقعات اور تعلیمات کا مطالعہ بھی کم کارگر نہیں ہوتا، مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں:"عندذکر الصالحین تنزل الرحمۃ" صلحاء کے ذکر وتذکرہ کے وقت اللہ تعالی کی رحمت خاصہ نازل ہوتی ہے۔

میرے والد میرے شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی ''آپ بیتی'' خود اپنے حالات زندگی کے علاوہ علماء امت اور صالحین کے ایمان افروز حالات وواقعات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے، اس ''آپ بیتی'' کا مطالعہ کرنیوالا اس احساس پر مجبور ہوجاتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی عظیم شخصیت کی عظمت کا راز فضل خداوندی کے بعد ان کے والد مولانا محمد یحییٰ صاحب کی بے مثال تعلیم وتربیت ہے، اور طبیعت بے اختیار اس معلم، مربی اور مرد صالح کے فضائل وکمالات کے جاننے کی مشتاق ہوجاتی ہے۔

اگرچہ ''آپ بیتی'' اور دوسری کتابوں میں جستہ جستہ بہت سارے حالات دادا مرحوم کے آگئے ہیں، مگر ضرورت تھی کہ انکے بکھرے ہوئے مضامین کو مرتب کرکے ایک سوانح کی شکل دی جائے تاکہ ان کی افادیت دوبالا ہو، یہ ہماری دیرینہ تمنا تھی، ہم نے مختلف ارباب قلم سے اس خواہش کا اظہار اور اس خدمت کی درخواست کی، مگر جس کیلئے یہ کام مقدر ہوچکا تھا، اس کے بغیر اور اپنے وقت سے پہلے بھلا کیسے انجام پاسکتا تھا؟ تاآنکہ وہ وقت مسعود آپہنچا کہ عزیزم محمد مسعود عزیزی ندوی سلمہ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور بحسن وخوبی اختتام کو پہنچایا، اللہ تعالی عزیز موصوف کو بہت بہت جزائے خیر دے، ان کے علم وعلم اور تصنیف وتالیف میں مزید جلا بخشے اور معاشی واخروی ہر طرح کی کامیابی سے ہمکنار فرمائے، انتہائی محنت وجانفشانی سے کشید کئے ہوئے عطر کی شیشی آپ کے ہاتھ میں ہے، جس کے متعلق عطار کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، ہم اپنے ان تمام مخلصین ومعاونین کے بھی تہہ دل سے شکرگزار ہیں جنہوں نے کتاب کی تصنیف سے لیکر منظر عام پر آنے تک جملہ مراحل میں کسی بھی طرح سے ہمارا تعاون کیا"فجزاھم اللّٰہ خیرا فی الدارین" اللہ تعالی کتاب کو مفید عام وخاص بنائے اور ان پاکباز اسلاف کے طفیل میں ہم اخلاف کو بھی سعادت دارین سے نواز دے۔ آمین

۸/ جمادی الثانیہ ۱۴۱۹ھ محمد طلحہ کاندھلوی

اس طرح ۱۹۹۸ء میں یہ کتاب ''سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی'' کے نام سے شائع ہوئی اور پسند کی گئی اور کراچی سے بھی اس کی اشاعت ہوئی اور گذشتہ سال بنگلہ دیش کے سفر میں معلوم ہوا کہ بنگلہ زبان میں بھی ترجمہ ہوکر شائع ہوئی، جس کی بنیاد پر حضرت مولانا کی شفقتیں اور بڑھ گئیں، پھر کچھ عرصہ کے بعد جب کہ حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کچے گھر میں تشریف فرما تھے، راقم حاضر ہوا تو مولانا طلحہ صاحب نے حضرت کے توسط سے ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کی تو کئی سوانح حیات ہیں، لیکن پیران پیر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کی کوئی سوانح حیات نہیں، اس لئے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی سوانح حیات بھی آپ ہی لکھئے، راقم نے قبول کرلیا، یہ بات ۲۱/ شوال ۱۴۳۰ھ مطابق

۱۱/ اکتوبر ۲۰۰۹ء بروز اتوار کی ہے، بندہ اپنی مشغولیات کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہ دے سکا کہ ۸/ ماہ بعد ۲۸/ مئی ۲۰۱۰ء کو حضرت مولانا طلحہ صاحب کا فون آیا اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی سوانح کے سلسلہ میں گفتگو کی، میں نے یقین دلایا کہ انشاء اللہ جلد ہی لکھی جائیگی، پھر اگلے ہی روز حضرت مولانا کا مندرجہ ذیل مکتوب آیا:

جناب مولوی محمد مسعود عزیزی صاحب!

سلام مسنون

بندہ عافیت سے ہے، مدت ہوئے کہ آپ کی خدمت میں حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب کے توسط سے ایک درخواست شاہ عبدالرحیم صاحب پیران پیر کی سوانح لکھنے کی کی گئی تھی، جس کو آپ نے قبول فرمایا تھا؛ لیکن مدت گزرنے کے باوجود اب تک یہ معلوم نہ ہوسکا کہ اس کا خاکہ بنا کر آپ نے کام شروع کیا، یا نہیں؟ اگر خدانخواستہ نہ بنایا ہو تو پہلی فرصت میں یکسوئی سے اس کام کی تکمیل فرمائیں، امید ہے کہ یہ لکھنا کافی اور وافی ہوگا، اس کے جواب کیلئے مستقل ۵/ روپیہ کا لفافہ ارسال ہے۔

اگر اس کا جواب نہ آیا تو حضرت مولانا محمد رابع صاحب کو خط لکھ کر یا فون کر کے آپ سے تقاضہ کیا جائے گا، امید ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی، آپ کا تو آنا جانا جبھی ہوتا ہے جب ندوہ کے اکابر یا اصاغر میں سے کوئی آوے۔ فقط والسلام

محمد طلحہ کاندھلوی ۱۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۳۱ھ

اس کے بعد راقم سنجیدگی سے کتاب کی ترتیب وتسوید میں لگ گیا، اور اس کا افتتاح داعی الی اللہ محسن ومربی حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ سے ۵/ شوال ۱۴۳۱ھ میں تمہیدی کلمات لکھوا کر کرایا، اور الحمد للہ چھ ماہ کی مدت میں ۱۹/ ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۴/ مارچ ۲۰۱۱ء کو حرم مکی میں بیت اللہ کے سامنے مقام ابراہیم کے پاس یہ کتاب مکمل ہوئی، مرشدی ومولائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے مقدمہ تحریر فرمایا، حضرت مولانا طلحہ صاحب کتاب کی تکمیل سے بہت خوش ہوئے اور اس خوشی کا اظہار اس طرح کیا کہ خود ہی راقم کے گھر اور مدرسہ میں آنے کا تقاضہ کیا، چنانچہ ۲۰/ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ پیر کے روز حضرت مولانا حشیم صاحب مکی مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے ساتھ راقم کے ادارے مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد تشریف لائے اور مرکز کی جامع مسجد میں عوام وخواص کے سامنے بیان کیا، اور تفصیل سے دعا کی اور پہلے سے فرمادیا تھا کہ کھانا سادہ تیار کرانا، جس میں مکئی کی روٹی، سرسو کا ساگ اور لسی ہو، چنانچہ اس کا اہتمام کیا گیا، اس طرح سے حضرت مولانا نے اپنی خوشی کا اظہار کیا اور مرکز کے معائنہ رجسٹر میں مندرجہ ذیل تأثرات لکھے:

آج بروز پیر مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد (سہارنپور) میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، محترم مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب کی خدمات دیکھ کر خوشی اور مسرت ہوئی، اللہ تعالی اس مرکز کی ترقی کے اسباب ووسائل پیدا فرمائے اور زیادہ سے زیادہ علم وتعلیم کی نشر واشاعت کی توفیق عطا فرمائے اور قدم قدم پر مدد واعانت اور نصرت فرمائے آمین۔

محمد طلحہ کاندھلوی ۲۰/ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ

محمد حشیم عثمانی، مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ، وارد حال ہندوستان

چنانچہ ''تذکرہ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ'' کا مسودہ خود بھی پڑھا اور اپنے سسر حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلویؒ کے پاس بھی بھیجا، انہوں نے بھی کتاب کا مسودہ پڑھوا کر سنا، اس کے بعد یہ کتاب خانقاہ رحیمی رائے پور سے شائع ہوئی، جس کے اب تک دو تین ایڈیشن رائے پور سے اور ایک ایڈیشن کراچی سے شائع ہو چکا ہے۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

پھر راقم کے یہاں ۸/دسمبر ۲۰۱۱ء بروز جمعرات کو بچی کی ولادت ہوئی، حضرت مولانا طلحہ صاحب نے اس کا نام خدیجہ رکھا، اور ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا، اس کے کچھ دنوں کے بعد حضرت مولانا نے اپنے پڑدادا حضرت مولانا اسماعیل صاحب کے بارے میں بھی کتاب لکھنے کیلئے فرمایا، لیکن مواد کی قلت کی وجہ سے یہ کتاب ابھی تک وجود میں نہ آ سکی، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

راقم پر ان کی شفقت اور توجہ اس قدر تھی کہ جب بھی راقم کی کوئی کتاب آتی اس کو خود پڑھتے، یا پھر اپنی مجلس میں پڑھواتے، اس کے بعد چند نسخے بھی طلب کرتے اور بعض کتابوں کے زیادہ نسخے بھی، جب راقم کی کتاب ''چند مایہ ناز اسلاف-قدیم وجدید'' کا دوسرا ایڈیشن آیا تو فرمانے لگے کہ ۵۰۰/نسخے مجھے دیدو، چنانچہ اس قیمت پر جس پر وہ چھپی تھی ۵۰۰/نسخے حضرت مولانا طلحہ صاحب کو پیش کردیئے گئے، اسی طرح جب حضرت مولانا عبدالرحیم متالا کے حالات پر'' نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالا'' چھپنے لگی، فرمانے لگے، ایک ہزار میرے لئے چھپوادو۔

پھر بعض مرتبہ راقم کی کتابیں منگواتے اور فرماتے کہ تبادلہ میں کتابیں لے لو، بعض مرتبہ تجارت کی بات کرتے، راقم عرض کرتا کہ حضرت تجارت کا ہنر مجھے نہیں آتا، دوسرے ہماری مطبوعات اکثر ہدیہ میں جاتی ہیں، تیسرے یہ عرض کرتا کہ ہمارا آپ سے تعلق ایک بزرگ اور حضرت شیخ کے فرزند ہونے کے حساب سے ہے، تجارتی نقطہ نظر سے نہیں، مگر وہ بے تکلفی میں بعض ایسی باتیں اور خطوط بھی تحریر فرمادیتے جن کو نقل نہیں کیا جاسکتا، بہرحال حضرت مولانا عبدالرحیم متالا کے انتقال کے بعد ان کو ماہنامہ ''نقوش اسلام'' اور اپنے ادارہ ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' کا سرپرست بنایا گیا تھا، اور وہ پابندی سے رسالہ دیکھتے، پڑھتے اور اس کے اہم مضامین کو پڑھوا کر سنتے تھے۔

❁❁❁❁❁ ——— ❁❁❁❁❁

گذشتہ سال ماہ شوال ۱۴۴۰ھ میں حضرت مولانا کی اہلیہ کے انتقال کے بعد وہ بجھ سے گئے تھے اور خاموش رہتے تھے، پھر جب وہ عمرے کیلئے حجاز کے سفر میں تھے، طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تھی اور زندگی سے لوگوں کو مایوسی ہوگئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ وہ پھر بخیر وعافیت واپس آ کر اپنی خانقاہ کی زینت بن گئے تھے، اس طرح زندگی کے شب وروز پورے ہو رہے تھے کہ امسال عیدالاضحیٰ سے چندروز قبل ان کی طبیعت زیادہ خراب ہوگئی تھی، جس کی وجہ سے میرٹھ کے ہاسپٹیل میں تھے کہ عین عیدالاضحیٰ کے دن حضرت مولانا کا انتقال ہوگیا اور ہمیشہ ہمیش کیلئے اس دار فانی سے آخرت کی طرف کوچ کر گئے، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا طلحہ صاحب کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے، انہوں نے اپنی زندگی میں حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری ناظم اعلیٰ مظاہر علوم سہارنپور کو اپنا جانشین بنادیا تھا، اب حضرت مولانا سلمان صاحب حضرت مولانا طلحہ صاحب کی خانقاہ کو آباد کئے ہوئے ہیں، لوگ آتے ہیں اور مجالس میں شرکت کرتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ادبی شہ پارے

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے

دعوتی خطبات کے چند گوشے

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی زندگی میں روح علم اور سوز دروں کا حسین امتزاج موجود ہے، اس میں اس کے بے چین دل، ان کی فکر ایمانی، ان کے تعلق باللہ، ان کے اخلاص و بے لوثی کا صاف وشفاف آئینہ نظر آتا ہے اور اس میں ہر شخص اپنی تصویر دیکھ سکتا ہے اور اپنے آپ کو خوب سے خوب تر بنانے کے طریقے اپنا سکتا ہے، مولاناؒ کی تحریر، اس کے ہر جملے، اس کے الفاظ کے تمام حروف موتیوں سے تولنے کے قابل ہیں، ان کی وسعت معلومات، گہرائی و گیرائی اور سوچنے کا صحیح انداز، ان کے دعوتی پہلو کا خاص امتیاز ہے، اللہ تعالی نے ان کو سچی اسلامی فکر انتہائی توازن اور اعتدال کے ساتھ پیش کرنے کا ملکہ عطا فرمایا تھا، ان کی کوئی بات اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سرچشمۂ ہدایت سے ہٹ کر نہیں ہوتی تھی، انہیں اسلامی تاریخ کے ایسے مؤثر اور مستند واقعات جمع کرنے کی توفیق عطا ہوئی جو بہت سے مؤرخین و مصنفین کی نظروں سے اوجھل تھے، انہوں نے تاریخی واقعات سے عبرت وموعظت اور دعوت وحکمت کے وہ دریچے کھولے جو علماء حق اور داعیان اسلام کے لئے ایک مستند مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اللہ تعالی نے حضرت مولاناؒ کو ایمان ویقین، علم وعشق، دعوت وطلب، تبلیغ وارشاد اور ایک مثالی اسلامی زندگی سے نوازا تھا، ان کی فکر پر ہمیشہ اس بات کا غلبہ رہا کہ وہ کس طرح اللہ کے بندوں کے دلوں میں عقیدۂ توحید اور ایمان ویقین کی روح اتار دیں اور کس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اور ان کی عرب اولاد کو ان کے احسانات روشناس کرائیں، تاکہ وہ اس پیغام کو سینہ سے لگا کر دنیا کی قیادت کی باگ ڈور دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے سکیں اور عالم کے اندر پھیلے ہوئے بگاڑ کو کس طرح اور انسانیت کو سرِ بازار رسوا کرنے والے افراد کو اپنے صحیح مقام پر کس طرح واپس لائیں اور انسانوں کو صحیح معنوں میں انسان بنانے کا کام کس طرح اور کتنی تیزی کے ساتھ انجام دے سکیں۔

علم وعمل اور اخلاص وایمان کی جامعیت اور اس میں انتہائی توازن کی صفت حضرت مولانا کی زندگی میں پوری طرح جلوہ گر تھی، ان کا ہر لمحہ، ہر عمل، ہر بات، ہر سانس اللہ کی رضا اور ان کے دین کی سربلندی اور امت کی سرخروئی کے لیے وقف تھی، حالات خواہ جیسے بھی ہوں اظہار حق میں کبھی بھی پس وپیش نہیں کیا اور وہی بات کہتے رہے، جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین منشاء کے مطابق ہو۔

سب سے پہلے تقریر جو میں نے سنی:

شوال ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۲ء میں حضرت مولانا نے تعلیمی سال کے افتتاح کے موقع پر دار العلوم کی مسجد میں تمام طلباء واساتذہ کے سامنے تقریر فرمائی تھی اور نئے سال کے موقع پر طلباء کو ضروری نصیحتوں سے نوازا تھا اور تعلیم کے چند بنیادوں پہلوؤں کی

طرف رہنمائی کی تھی،اس میں اخلاص واحتساب کی تشریح فرماتے ہوئے تاریخ کے صفحات سے بعض اہم شخصیتوں کا ذکراوران کے روشن کارناموں کو بیان کرنے کے بعد وقت کی قیمت کو پہچاننے اوراس کوصحیح مصرف میں استعمال کرنے کی طرف بہت خصوصیت سے توجہ دلائی تھی،اس زمانہ میں دارالعلوم میں طلباء کی تعداد بہت کم تھی،اسی سال دو نئے طالب علم داخل ہوئے تھے،ان کا ذکر کرکے اظہارمسرت کیا تھا،ان میں ایک طالب علم خاکسار راقم الحروف تھا۔

حضرت مولانا اسی زمانے میں شرق اوسط کے ملکوں کا ایک طویل دعوتی سفرکرکے تشریف لائے تھے،مصرمیں خصوصیت کے ساتھ طویل قیام کیا تھا اور وہاں کے علماء ودانشوروں سے ملاقات کا موقع ملا تھا، جب وہاں کے شیخ الازہرشیخ شلتوت سے ملاقات ہوئی اوردوران گفتگو ندوۃ العلماء کا تخیل ان کے سامنے پیش کیا اوراس کی تشریح کی تو وہ حیرت زدہ رہ گئے اور برملااعتراف کیا کہ ابھی تک ہم نے ایسے جامع اورمتوازن تصور کے بارے میں غور نہیں کیا تھا، وہ حضرت مولانا سے متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور مختلف اداروں اورجمعیات میں ان کے دعوتی اورتعلیمی پروگراموں کا انتظام کیا اور جب تک مولانا مصرمیں قیام پذیر رہے ان سے ملاقات اورتبادلہ خیال کرتے رہے۔

یہی وجہ تھی کہ مصرکا زمانۂ قیام دعوتی لحاظ سے بہت مفیداور بار آور رہا، وہاں کے سنجیدہ حلقوں سے ملاقات، گفتگو اور تقریرو محاضرات کا سلسلہ عجیب وغریب والہانہ انداز سے جاری رہا، وہاں کی بعض تقریروں میں مولانا کا مؤثر انداز بیان اورانوکھا طرز تعبیر کچھ اس طرح ظاہر ہوتا ہے۔

مدرسہ کا کام:

حضرت مولاناؒ نے اپنے دعوتی اسفار میں مدارس اسلامیہ کے ایوانوں، مدرسہ کا مقصد اوراس کی اہم ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتے ہوئے طلبائے علوم اسلامیہ کی آنکھوں سے لامقصدیت کے دبیز پردے کواٹھایا اوران کو مادہ پرستی کے اس دور میں یاددلایا ہے کہ وہ کیا ہیں اورکس طرح ان کو عالمی قیادت کے لیے تیار ہونا چاہئے، جے پور میں شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب مجددیؒ نے ۱۷/اکتوبر۱۹۷۶ء کواعلی پیمانے پراور جامع شکل میں ایک مدرسہ جامعہ ہدایت کے نام سے قائم کرنے کا ارادہ کیا تو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے سنگ بنیاد رکھوایا،اس موقع پر مولانا نے ایک بہت بلیغ اورمفصل تقریر کی اوراخیر میں مدرسہ کا کام کیا ہے؟ کے زیرعنوان اپنی تقریر میں کہا:

''مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر، باعقیدہ، ایسے باایمان ایسے باحوصلہ اورایسے باہمت فضلاء پیدا کرے جواس ضمیر فروشی، اصول فروشی اوراخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا، اپنی جگہ پر کھڑا رہتا ہے، راستہ بتاتا ہے، جیسے کہ قبلہ نما کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کوقبلہ بتادے گا، ہندوستان میں بتائے گا، دوسرے ملکوں میں بتائے گا، پہاڑ پر رکھیں تو بتائے گا، پل پر رکھیں تو بتائے گا، یہی عالم کا کام ہے کہ ہرزمانہ میں ہرجگہ قبلہ نما ہے''۔

یہ جامعہ ہدایت جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان مقاصد عالیہ پراس کی بنیاد رکھی جارہی ہے اورحقیقت میں ہر دینی مدرسہ کی بنیاداسی پررکھی گئی ہے اوریہی اس کی اصل قدروقیمت ہے، ان کو آپ ان کی عمارتوں سے نہ پہچانئے، آپ ان کے بوریوں اور وہاں کے فرنیچر کی کمی اور وہاں پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کی تہی دامنی اوران کی بے بضاعتی سے ان کا درجہ قائم نہ کیجئے، جیسے کہ کہنے والوں نے کہا: گدائے شاہی میں اوردلق فقیری میں وہ شاہانہ مزاج رکھتے ہیں،ان کا مزاج شاہانہ ہے اوران

کا لباس فقیرانہ ہے، یہ ہمارے علمائے سلف تھے اور آج انہی علمائے سلف کی اس وقت ضرورت ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ ہوا کے رخ پر چلنا مدرسہ کا اصول نہیں ہے، اگر مدرسہ کا یہ اصول ہوتا تو وہ کب کے انگریزی کے، عربی کے کالج بن چکے ہوتے؛ لیکن جو اس وقت چند گنے چنے مدرسے باقی ہیں وہ اس بات کا ثبوت ہیں کہ مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنا قبول نہیں کیا ہے''۔ (خطبات مفکر اسلام جلد ۴، صفحہ ۱۲۶)

علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں:

حضرت مولانا نے علماء اور تعلیم یافتہ لوگوں کے مجمع میں تقریر کرتے ہوئے ان پر یہ واضح فرمایا کہ دین کوئی موروثی اور روایتی حکایت نہیں ہے اور نہ صرف لفظ دین کو بار بار دہرانے سے دین پیدا ہوتا ہے، دین نام ہے ایک مکمل نظام حیات کا، یہ نظام عارضی نہیں بلکہ دائمی ہے، اس کی تعلیمات زندگی کی تعمیر کرتی ہیں اور انسانی زندگی کو بروئے کار لانے اور اس کو ہر اعتبار سے ایک امتیازی شان عطا کرنے کے لیے خالق کائنات کی طرف سے نازل کی گئی ہیں، آج امت مسلمہ کے بہت سے افراد اور تعلیم یافتہ لوگوں کے نزدیک بھی دین کا مطلب کچھ خاص اوقات میں عبادت کے نام سے کچھ کام کر لینے کا نام ہے، حالانکہ یہ دین اسلام کی فطرت کے عین مطابق ہے اور وہ ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے غافل نہیں ہوسکتا، ورنہ اس کی زندگی بے مقصد اور نامکمل ہو کر رہ جائے گی اور دین کا علم ہوتے ہوئے بھی دین کے فیض سے محروم رہ جائے گا، آج کے دور میں ہمارے علماء کے طبقہ میں بھی بڑی حد تک دین سے مایوسی کی فضا پیدا ہوگئی ہے اور وہ مادہ پرست قوموں کے خیال سے کچھ نہ کچھ متاثر ہو کر دین کا اہتمام، عبادت کا شوق اور اللہ تعالی سے تعلق مضبوط کرنے اور اطاعت ومحبت کے جذبے سے قلوب کو معمور کرنے کی توجہ سے دور ہوتے جارہے ہیں۔

دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ طبقہ یہ سمجھتا ہے کہ دین کا رقبہ بہت محدود ہے اور اس کا علم سے کوئی خاص تعلق نہیں ہے، اصل چیز سائنس اور ٹکنالوجی ہے، اس سے تمدن پیدا ہوتا ہے اور اسی کے فیض سے تہذیبیں وجود میں آتی ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ مذہب سے سائنس اور کائنات کے علم کا کوئی تعلق نہیں ہے، وہ کائنات کی نشانیوں کو سائنسدانوں کی دین سمجھتے ہیں اور ان کو مذہب سے الگ کوئی دوسری شئی تصور کرتے ہیں۔

فطرت انسان سے غیر ہم آہنگ اور درجہ یقین تک پہنچے ہوئے اس تصور کو جو ایمان وعقیدہ کے سراسر خلاف ہے اور عصر جدید میں رواج پذیر ہے، مولانا نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے اپنے بلیغ دعوتی انداز میں فرمایا: ''عصر جدید میں عالم اسلام کے علماء، جامعات کے اساتذہ اور پروفیسر صاحبان اور ہمارے قانون داں اور ہمارے ادیب ودانشور طبقہ کی ایک ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ ثابت کریں کہ یہ دین جہالت کے بطن سے اور فوجی طاقت سے نہیں پیدا ہوا ہے؛ بلکہ معرفت سے پیدا ہوا ہے، اللہ کی رہنمائی سے پیدا ہوا ہے، وحی سے پیدا ہوا ہے، یہ زمانہ کا ساتھ دے سکتا ہے، یہ تمدن کی رہنمائی کرسکتا ہے، اس کی نگرانی کرسکتا ہے کہ یہ تمدن بے راہ نہ ہونے پائے، فاسد نہ ہونے پائے، تخریبی راستہ اختیار نہ کرنے پائے، یہ تاثیر علمائے دین اور اعلی تعلیم یافتہ طبقہ ہی دے سکتا ہے اور یہ بڑی ذمہ داری ہے، اگر کسی دنیا یا کسی قوم کے متعلق یہ خیال قائم ہوجائے کہ اس کا علم کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے، بلکہ علم سے اس کو نقصان پہنچتا ہے اور جہالت سے اس کو فائدہ، خواہ تھوڑے عرصے کے لیے، تو خواہ وہ اپنے زور شمشیر، اپنے بازو سے، اور وہ دعوت یا جماعت یا قوم دنیا کے کسی حصے پر قبضہ کرلے؛ لیکن دماغوں پر اس کا قبضہ نہیں ہوسکتا، سب یہی خیال

کریں گے کہ اس کو زندہ رہنے کے لیے جہالت کی تاریکی چاہئے، جب تک وہ تاریکی رہے گی، وہ زندہ رہے گا اور جب علم آئے گا وہ غائب ہوجائے گا، اس کا پردہ چاک ہوجائے گا اور جس طرح بدلی آفتاب کی روشنی سے چھٹ جاتی ہے، اس طرح وہ چھٹ جائے گا عیسائیت کا معاملہ یہی ہوا، عیسائیت نے علم کا ساتھ نہیں دیا، عیسائیت ایک خالص روحانی تحریک اور ایک معاشرتی انقلاب کے طور پر تو آئی، حضرت مسیح علیہ السلام کا جب تک زمانہ رہا، ان کی مقبولیت، ان کا تقدس، ان کی روحانی طاقت ہی رہنمائی کرتی رہی؛ لیکن اس کے بعد پھر اس کو ایک زمانہ تک ذہین اور صاحب نظر لوگوں کا تعاون حاصل نہ ہوا، پھر جب مسیحیت یورپ پہنچی تو سمجھا گیا کہ یہ زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی، اس لیے زندگی سے اس کو علیحدہ کرلینا چاہئے۔

یہ غلطی عالم اسلام میں الحمدللہ نہیں ہونے پائی، اس لیے کہ شروع سے اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ تھا، میں نے ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس کی پہلی وحی اقراء کے لفظ سے شروع ہوئی ہو اور جس کی پہلی وحی میں قلم کو فراموش نہیں کیا گیا، وہ علم اور قلم کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ اسلام میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ دین وعلم میں کبھی بھی دوری ہوگی، اس لیے کہ اسلام اور علم کا شروع سے ساتھ رہا ہے، جب بدر کے قریشی قیدی مدینہ پہنچے تو ان میں کئی ایسے تھے کہ وہ فدیہ ادا کرکے رہائی نہیں حاصل کرسکتے تھے، ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ ہر شخص انصاریوں اور مہاجرین کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھادے''۔ (خطبات مفکر اسلام جلد ۳ رصفحہ ۲۱۰-۲۱۴)

مصر میں مسلم طلبہ کے سامنے ایک تقریر:

۳؍مارچ ۱۹۵۱ء کی جامع ازہر کے طلبہ کے سامنے جو تقریر ہوئی، اس میں حضرت مولاناؒ نے ان کی اپنی دینی امانت کی حفاظت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا: ''ہماری تقریر اس پیغام وذمہ داری سے متعلق تھی جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی پہلی نسل نے چھوڑا تھا اور جس کی ذمہ داری ایک عالم دین پر عائد ہوتی ہے، یہ دینی امانت پہلے زمانہ کے اسلامی عقیدہ اور شریعت اسلامی کی حفاظت کی مستلزم ہے، ہمیں دیکھنا چاہئے کہ کیا آج ہمارے نوجوان علماء اور فکر اسلامی کے حامل اہل قلم اور اصحاب فکر اس ورثہ کی پوری حفاظت اور نگہداشت کررہے ہیں؟ کیا وہ دین میں غلو کرنے والوں، اہل باطل کی فتنہ پردازیوں، جاہلوں کی بے معنی تاویلات کی نقاب کشائی کررہے ہیں؟''۔

انہیں ذمہ داریوں میں دینی ارکان وفرائض اور واجبات کی حفاظت بھی شامل ہے، ایک سچا عالم دین اس کی صورت وحقیقت، نظم وضبط دونوں ہی کا محافظ ہوتا ہے، اس میں وہ کسی آن ادنی تغافل اور لاپرواہی سے کام نہیں لیتا ہے، عالم جس قدر خود ان ارکان کی پابندی کرے گا، ظاہر وباطن پر نظر رکھے گا، عوام بھی اسی قدر اس کا اہتمام کریں گے، اور اگر وہ خود اس میں غفلت وتساہلی کرے گا تو عوام سے اس کے اہتمام کی کوئی توقع نہیں۔

ساتھ ہی دینی روح اور قلبی کیفیات مثلاً اخلاص، خدا کی ذات پر اعتماد وبھروسہ، دعامیں اس کے سامنے رونا گڑگڑانا، نماز میں خشوع وخضوع کی کیفیات یہ بھی اس دین اور وراثت نبویؐ کے اہم اجزاء میں سے ہیں، جس میں مسلمانوں کی پہلی نسل اور صحابہ کرام ممتاز تھے، دشمنوں پر ان کے کامیاب وفتح یاب ہونے کے اسباب میں سے ایک بڑا سبب یہ بھی ہے، ہرقل نے ایک شخص سے جو مسلمانوں کے ساتھ قید ہوا تھا، کہا کہ مجھے ان لوگوں کے حالات بتاؤ؟ تو قیدی نے کہا میں آپ کے سامنے ان کا ایسا نقشہ کھینچوں گا کہ جیسے آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں، وہ دن میں شہسوار اور رات میں عبادت گزار ہوتے ہیں، ذمیوں کے

مال کو بے قیمت نہیں لیتے، کسی کے پاس آنا جانا ہوتا ہے تو سلام پہلے کرتے ہیں، اپنے حریف سے اس طرح جم کر لڑتے ہیں کہ بالادستی حاصل کر کے ہی دم لیتے ہیں، یہ باتیں سن کر ہرقل نے کہا کہ یہ حالات جو تم نے بیان کئے ہیں اگر یہ حقیقت ہیں تو ایک نہ ایک دن وہ ہمارے تخت وتاج پر قبضہ کرلیں گے، ایک دوسرے قیدی نے ان کے حالات اس طرح بیان کئے ہیں'' وہ رات کو عبادت گزار اور دن میں شہسوار ہوتے ہیں، اگر تم اپنے قریب بیٹھنے والوں میں باتیں کرو، تو ان کے ذکر وتلاوت کی بلند ہونے والی آواز کی وجہ سے وہ تمہاری بات کو نہ سمجھ سکیں گے''۔

علماء اور دین کے کارکنوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ سنت پر عمل کریں، مردہ سنتوں کو پھر سے زندہ کریں، ان کا رواج ڈالیں، اور حدیث شریف سے رہنمائی حاصل کریں، ان کی جدوجہد، کدوکاوش، اس تحریک ودعوت کا مقصد اولین فرائض کا قیام، دین اور اسلام کے ارکان کی شیرازہ بندی ہونی چاہئے، اللہ تعالی نے اسی کو ان کے اخلاص وقبولیت کا پیمانہ (بیرومیٹر) قرار دیا ہے، وہ فرماتا ہے:''الذین إن مکناهم فی الأرض أقاموا الصلاة وآتوا الزكاة وأمروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الأمور'' وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین وآسمان میں اقتدار دیدیں تو نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، بھلائی کا حکم دیں گے، برائی سے روکیں گے اور معاملات کا انجام تو خدا ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ (شرق اوسط کی ڈائری صفحہ ۱۹۱-۱۹۳)

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں ہر طبقہ کے لوگوں اور دیگر اقوام کو بھی دعوت کی زبان واسلوب میں مخاطب کیا، وہیں سب سے زیادہ عرب قوم کو اپنے خطاب، اپنی گفتگو، اپنی تقریروں اور ملاقاتوں سے اور اپنی جملہ زبان وبیان اور قلم وقرطاس کی طاقت سے ان کو جھنجوڑا اور ان کو اپنے عہد رفتہ، اسلام کی صداقت وعظمت اور اس کی قیادت کی طرف لوٹنے کی تلقین کی اور امت عربیہ کو اپنے اصل اور منفرد کردار کی طرف واپس آنے کی دعوت دی اور انہیں کو اپنے منفرد قائدانہ مقام کی طرف لوٹنے کی طرف متوجہ کیا، تاکہ سارا عالم رشد وہدایت، ایمان وعقیدہ کی روشنی سے بقعۂ نور بن جائے اور مادی تمدن کی وجہ سے جو ناہمواریاں اور عالم انسانیت کو جن پیچیدہ مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، ان کا حل خود بخود نظروں کے سامنے آجائے، انہوں نے اس قوم کو مختلف اوقات میں متعدد طریقوں سے مخاطب کیا، عربی زبان میں مہارت تامہ پیدا کرنے کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ وہ عربوں کو نئے سرے سے اسلام کی طرف واپس ہونے کی دعوت دے سکیں اور دوبارہ جاہلیت کی طرف ان کے قدم نہ اٹھنے پائیں۔

سرزمین عرب کو اللہ تعالی نے معدنی دولت نہایت فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہے، اس لیے اس کو مثبت اور تعمیری کاموں میں صرف کرنے ہی میں دراصل اللہ تعالی کا حق شکر کسی حد تک ادا ہوسکتا ہے، ایسا نہ ہو کہ دولت کا نشہ انحراف وضلالت کے دروازے کھول دے اور یہ امت اپنے پیغام کو بھلا بیٹھے اور نت نئے تہذیبی اور مادی فلسفوں کی بھول بھلیوں میں گم ہوجائے۔

اسی عظیم مقصد کے ماتحت حضرت مولاناؒ نے عالم اسلام کے عرب ممالک کا سفر کیا، انہوں نے سعودی عرب، مصر، سوڈان، شام وفلسطین، خلیج کی ریاستوں اور کویت، قطر، بحرین، مغرب اقصی (مراکش) وغیرہ ممالک کا دعوتی مقصد سے سفر کیا اور وہاں کے نوجوانوں علماء ودعاۃ، اہل فکر کے سامنے نہایت کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کیا اور اسلام سے ان کی غفلت اور نادانستہ طور پر مغربی تہذیب سے مماثلت اور اس پر فریفتگی کو اپنی گفتگو کا محور بنایا اور ایک داعی اور مرد مومن کی جرأت کے ساتھ نہایت صراحت سے ان کمزور پہلوؤں کی نشاندہی کی اور اسلامی غیرت وحمیت کو

ازسرنوزندہ کرنے کی طرف متوجہ کیا، خاص طور عرب قومیت اور عرب نسل پرستی کو اسلام کے خلاف ایک بغاوت سے تعبیر کیا اور اس کے علمبرداروں کو اپنی زبردست تنقید کا نشانہ بنایا اوران کی حقیقت اوران کے چھپے ہوئے راز کو واشگاف کرکے ان کو غیرت دلائی اور اسلامی تہذیب کو اختیار کرنے اوراس کے روشن ماضی کی طرف لوٹنے کی دعوت دی۔

مسئلہ کشمیراور فلسطین کا تجزیہ کرکے اس کے حل کے بارے میں سوچنے اوراس کو بروئے کار لانے کا مطالبہ کیا اوراس مسئلہ میں کہاں اورکس طرح غلطی ہورہی ہے، اس کو تلاش کرنے کی طرف توجہ مبذول کرائی اورعربوں کی کمزوریوں، ان کی کوتاہیوں اوران کے بے باکانہ تصرفات کو، ان کی فکری بے بضاعتی اور ذہنی دیوالیہ پن کا نتیجہ قرار دیا اور ایک رسالہ خاص طور سے انہیں کے لیے "إلى الراية المحمدية أيها العرب" کے نام سے شائع کیا، اکثر عرب ممالک کے دورے کے موقع پر وہاں کے لوگوں کو ایک دعوتی پیغام "إسمعيات" کے عنوان سے پیش کرنے کا اہتمام کیا "اسمعي يامصر، اسمعي يازهرة الصحراء، اسمعي يا ايران "اور بلادحرمین کو "من العالم إلى جزيرة العرب" اور "من جزيرة العرب إلى العالم" کے عنوان سے اسلام کے دامن کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہنے کا درس دیا، اسی ضمن میں حضرت مولانا نے سربراہان مملکت کو بھی آگاہ کیا اورایک سے زیادہ باران سے نہ صرف یہ کہ ملاقاتیں کیں بلکہ ان کے نام ذاتی طور پر خطوط بھی تحریر فرمائے، خصوصیت کے ساتھ سعودی عرب کے فرمارواؤں کو جوخطوط لکھے ان کا مجموعہ "كيف ينظر المسلمون إلى الحجاز" کے نام سے چھپ چکا ہے۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت مولانا کی ایک تقریر کے چند اقتباسات نقل کرکے عربوں کے بارے میں ان کی رائے پیش کریں اوران کی صاف گوئی اور تلخ نوائی کو درس عبرت بنائیں۔

اسلام سے بغاوت:

"آج ہماری ذلت ونکبت کا کیا حال ہے اورہم دنیا کی نگاہوں سے کتنے گرگئے ہیں، ہم اس وقت صحیح احساس کررہے ہیں کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں، تمام راستے تاریک اورمسدود ہیں، اس لیے ہمیں حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ ہم نے اسلام سے بغاوت کرکے کچھ نہ پایا، ہمیں اب کہنا چاہئے کہ ہم اسلام کے دائرے میں آتے ہیں اوراس کی طاقت آزمانا چاہتے ہیں جو ہماری مدد کو تیار کھڑا ہے اور ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں بلندی کی طرف لے جانا چاہتا ہے۔

صاف گوئی اور تلخ نوائی:

میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے اپنے ان عرب بھائیوں پر سخت تنقید کی ہے، جن سے مجھے محبت وعقیدت ہے اورجن کی میں عزت کرتا ہوں اور اللہ نے جن کے مستقبل سے میرا مستقبل اور جن کی عزت وذلت سے میری عزت وذلت وابستہ کررکھی ہے میں نے یہ بات ہندوستان میں باربار کہی ہے کہ عالم اسلام کا مستقبل عربوں کے مستقبل سے وابستہ ہے، عربوں کی ذلت وعزت اسلام کی ذلت وعزت ہے، یہ وہ قوم ہے جسے چھوڑ کر میں کسی قوم کو اپنا نہیں سکتا اور جس کی کتاب اور جس کی زبان، جس کی تہذیب سے کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہوسکتا، اسی پر میں جیتا رہا ہوں اوراسی پر مرنا چاہتا ہوں، یہ صراحت اور تلخی میں نے اس لیے اختیار کی ہے کہ میں بھی انجام میں شریک ہوں اورجن حالات کے آپ شکار ہیں، میں بھی انہی میں اپنے کو مبتلا پاتا ہوں، لہٰذا پھر کہتا ہوں کہ محمدی جھنڈے تلے جمع ہوجایئے، قومی وطنی یا اورکسی جھنڈے کے نیچے نہیں۔

اللہ نے آپ کے ذریعہ ان لعنتوں سے نجات دی تھی، جاہلیت میں ہر قوم کے پاس تہذیب ومذہب تھا اوران کے آداب ورسوم بھی تھے؛لیکن جب اسلام کا پیغام لیکر گئے تو آپ نے انہیں بچایا، پھر خود آپ ادھر کیوں جارہے ہیں؟

روشنی کی کرن:

اے اہل عرب، اے اہل مکہ اوراے خادمان حرم! آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس مقدس گھر کو بنایا تھا کہ ہر گھر سے اونچا ہو جائے اور ہر صنم وہیکل سے بلند دکھائی دے، آپ کے لیے کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ پھران ناقابل ذکر بتوں کا سہارالیں،یہیں سے عالمی انسانیت کی آواز اٹھی،جس نے امتیازات کے بتوں کوتوڑ کر اورنسلی، وطنی، غلامی کے طوق وسلاسل کو کاٹ کررکھ دیا،جس نے تاریخ کارخ پھیردیا،جس نے حوادث کا منھ موڑ دیا،یہیں سے وہ روشنی کی کرن پھوٹی جودنیا میں پھیل گئی اورجس نے انسانیت کے تن مردہ میں روح زندگی دوڑادی۔

جاہلیت کا رجحان:

ہمیں حیرت ہے کہ آپ کیسے اس جاہلیت کی طرف جارہے ہیں، جسے ہر ہوشیارقوم نے چھوڑ دیاہے اورآج یورپ بھی قومیت کی تباہ کاریوں کے بعداس سے تائب ہوگیاہے، یورپ کا اگلا ہوا لقمہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کودیکھنا نہیں چاہتا، آپ وہی قوم ہیں جس نے دنیا کواپنے خوان کرم صلائے عام دیا تھا اورقومیں آپ کے دسترخوان پر مہمان ہوتی تھیں،جس کیلئے کہا گیاہے: ؎

ادیم زمین سفرۂ عام اوست
بریں خوان یغما چہ دشمن چہ دوست

’’آپ کے لیے کیسے زیبا ہوسکتا ہے کہ آپ خود ہی دوسروں کے یہاں طفیلی بن کر جائیں اوران کے پس خوردہ پر قناعت کرلیں‘‘۔(عالم عرب کاالمیہ،صفحہ۱۰۴،۱۰۶)

میں انہی چند تقریری نمونوں پراس وقت اکتفا کرنا چاہوں گا، اس لیے کہ اس موضوع کو پورے پھیلاؤ کے ساتھ پیش کرنے کے لیے محنت وکاوش اوریکسوئی وفراغت کی ضرورت ہے، یہ ایک بحر بیکراں ہےاور یہ ایک مضبوط ووسیع تر سفینہ کا طالب ہے: ع

سفینہ چاہئے اس بحر بیکراں کے لیے

اگر زندگی نے وفا کی اوروقت نے ساتھ دیا، بلکہ اللہ تعالی نے اگر مدد فرمائی اورتوفیق عمل سے نوازا، تو اس موضوع کو کسی رسالہ یا کتاب کا عنوان بنایا جاسکتا ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مختصر مضمون کو حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے ایک اقتباس پر ختم کیا جائے: ’’آج تمام دنیا میں مسلمان ہیں، کون ایسا ملک ہے جہاں آپ کے ملک کے لوگ موجود نہیں؟ لیکن کس کے لئے ہیں ،بس یہی مسئلہ ہے ، دعوت پھیلانے کے لیے نہیں، ایسا نہیں کہ انسانیت پر رحم کھا کر انگلستان، کنیڈا، امریکہ خودعرب ملکوں کی موجودہ خطرناک حالات دیکھ کروہ بے چین ہوکراپنے گھروں سے نکلے ہوں، یہ ’’أخرجني مخرج صدق‘‘ نہیں ہےاور جو وہاں گئے تو یہ ’’أدخلني مدخل صدق‘‘ نہیں ہے، معاشی مصلحت کے مفادنے ان کونکالا، معاشی مفادنے ان کو وہاں داخل کیا، معاشی وذاتی وخاندانی مفادنے ان کو وہاں رکھا، جب اس کا تقاضہ ہوگا کہ مکہ کے بجائے نیویارک چلے جائیں تووہ چلے جائیں گے، آپ جب چاہیں امتحان لے کر دیکھ لیجئے اور جب اس کا تقاضہ ہوگا کہ مکہ چلے آئیں تو وہاں چلے آئیں گے، اس لیے نہیں کہ وہاں حرم ہے؛ بلکہ اس لیے کہ معاشی مسئلہ کا تعلق وہاں سے ہے، یہ نہ ’’مدخل صدق‘‘ پرعمل کررہے ہیں اورنہ ’’ مخرج صدق ‘‘پر چل رہے ہیں‘‘۔

(خطباب مفکراسلام جلد۶ رصفحہ۳۳-۳۴)

❁ سعید ❁ سعید ❁

فکر وعمل

موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داری

مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی آکسفورڈ، برطانیہ

تمھید:

اس وقت صرف ہندوستان میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں ہم مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں ان کی سنگینی کا احساس ہر خاص وعام کو ہے، ہماری سیاسی طاقت مدتوں سے ٹوٹ چکی ہے، اجتماعیت کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، گروہی عصبیت ہماری رگ جان میں پیوست ہوگئی ہے، ہمارا مزاج فرقہ وارانہ بن چکا ہے، ہمارے جان ومال وعزت وآبرو کا عدم تحفظ، ہماری ذلت وبے کسی کا آئینہ دار ہے، مختلف ملکوں میں ملازمتوں کے شرائط اس طرح تبدیل کئے جارہے ہیں کہ مسلمانوں کیلئے ملازمتوں کا حصول مشکل ہوتا جارہے، مسلم ملازمتوں کی پریشانیوں میں اضافہ ہورہاہے، مسلم خواتین کا پردہ تنقید اور امتیازی سلوک کی زد میں ہے، اسکولوں، اسپتالوں اور عوامی ریسٹورانوں سے حلال کھانوں کی قانونی آسانیاں ختم کی جارہی ہیں، تکفین وتدفین کی حاصل ہونے والی سہولیتیں بھی نشانہ پر ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب یکساں مواقع کے دستور کو خواتین اور ہم جنس پرست اماموں کی تقرری کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد چونکہ بہت زیادہ ہے، اس لئے غیر اطمینانی کی فضا کو روکنے کے لئے اس طرح کی کار روائیاں شاید بہت کھل کر نہ ہوں، البتہ پولیس ایکشنز، تعلیمی اداروں کی تفتیش، مسجدوں اور مدرسوں کے لئے بلڈنگ ریگولیشنز او رلائیسنز جیسے قانونی حربوں کا استعمال جاری ہے، جن کی وجہ سے مسلمان خود کو پابند قیود وسلاسل محسوس کر رہے ہیں:

ان حالات سے نپٹنے کے لئے ہم مختلف پیمانوں پر متفرق اور غیر منظم کوششوں میں لگے ہوئے ہیں؛ لیکن کسی واضح مقصد کے عدم تصور اور کسی طویل المعیاد منصوبہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے بجائے پیش رفت کے ہم مزید تنزل وادبار کا شکار ہیں۔

مسائل کا سبب:

ایسے حالات میں دوسروں کو مورد الزام ٹھہرانا ہمارا معمول بن گیا ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہماری مشکلات کا سبب غیروں کی عمدہ کارکردگی نہیں بلکہ ہماری خراب کارکردگی ہے، ہمارے مخالفین جس منزل کی طرف رواں دواں ہیں وہ منزل نہیں ہے، اس لئے وہاں تک پہنچنے کے بعد ان کا زوال وانتشار یقینی ہے، ہماری پریشانی کا سبب ان کی ترقی نہیں ہونی چاہئے، ہماری پریشانی کا اصل وجہ یہ ہونی چاہئے کہ ہمارے پاس منزل ہے، لیکن ہم نے اپنی منزل چھوڑ کر دوسروں کی منزلوں کو اپنی منزل تصور کرلیا ہے، اس لئے ہمارے اور دوسروں کے راستوں، طریقہ کار اور تگ ودو میں کوئی فرق نہیں رہا۔

امتحان:

مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہمیں جو رتبہ ومقام حاصل ہے اور ہمارے اندر جس طرح کی امید وحوصلہ ہے، وہ ہمارے مخالفین کو حاصل نہیں اور ہمیں اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی، خدا کے ماننے والوں سے اس قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ ہر دور میں رہا ہے،

اور یہ قیمت ہے ہمارے ایمان وایقان کا امتحان کہ کیا ہم صرف اس وقت ایمان پر قائم رہتے ہیں جب ہمیں زمین میں عروج، طاقت، اقتدار اور خوشحالی حاصل ہو، یا ہم کمزوری، سختی، پریشان حالی اور فقر وفاقہ کی حالت میں بھی دین وایمان پر قائم رہ سکتے ہیں، کیا ہم اہل ایمان اپنی صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد استوار رکھ سکتے ہیں، مشترکہ منصوبے بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ کام کر سکتے ہیں، یا ہم وقتی سکون اور عارضی مفاد کے لئے اپنے اصولوں، اور دینی وملی مفاد کا سودا کر کے اپنی مختلف نسبتوں اور منقسم شدہ فرقوں اور گروہوں کو اپنی شناخت قرار دیں گے۔

سیاسی تبدیلی:

بعض حالات میں اچھے اثرات ونتائج کے لئے تبدیلی لانے کا مروجہ طریقہ کارقابل استعمال نہیں ہوسکتا، مثال کے طور پر اس وقت بہت سے ممالک میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ ہم کس کو ووٹ دے رہے ہیں؛ کیونکہ ان ممالک میں حقیقی طاقت سیاسی سرگرمیوں کی سطح کے بہت اندر گہرائی میں چھپی ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ آپ ان سیاسی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوں، کیونکہ اس سے اندرونی حقائق تبدیل نہیں ہوسکتے، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی بہتے ہوئے دریا میں آپ کوئی چھوٹی یا بڑی چٹان پھینکیں، ایک مختصر وقفہ کے لئے پانی میں ہلچل ہوگی، اس کے بعد دریا اپنے دھارے کے مطابق دوبارہ اپنا بہاؤ قائم کر لے گا۔

ہندوستان اور یورپ وامریکہ کے بہت سے ممالک میں مسلمانوں کے لئے کوئی سیاسی تبدیلی لانا یا سیاسی پارٹیوں پر اثر ڈالنا عملاً ناممکن ہے، کیونکہ ان ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گہری نفرت کی فضا قائم کردی گئی ہے، جب تک مسلمان اپنے مسلمان ہونے کا انکار نہ کریں اس وقت تک وہ جو کچھ بھی کریں گے یا کہیں گے اسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا، اور دھیرے دھیرے مسلمانوں کو اقتدار اور اثر اندازی کی پوزیشن سے مکمل طور پر بے دخل کر دیا جائے گا۔

ہمیں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ ہم اس وقت سیاسی اقتدار کے نااہل ہیں اور نہ سیاسی اقتدار ہمارے مسائل کا حل ہے، ہماری نااہلیت اس سے عیاں ہے کہ ہم صحیح طریقے سے مدرسوں، مرکزوں، اداروں بلکہ اپنے گھروں کا نظام نہیں چلا سکتے اور سیاسی اقتدار کے توسط سے ہمارے مسائل کے حل نہ ہونے کی ایک اہم شہادت مسلم ممالک کی صورت حال ہے، جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہے، وہاں کے حالات بھی کس قدر خراب ہیں بلکہ بعض مسلم ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت ہندوستان سے بدتر ہے۔

ہمارا مقصد حیات:

تبدیلی یا اصلاح کا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کرنا ہوگا کہ ہمارا مقصد حیات کیا ہے، اور پھر اپنے تمام منصوبوں اور تمام کوششوں کا از سر نو جائزہ لینا ہوگا کہ یہ منصوبے اور کوششیں اس مقصد کے لئے کس حد تک ضروری ہیں اور ان کے درمیان آپس میں کس قدر ہم آہنگی ہے، ہر شخص جسے کتاب الٰہی کا تھوڑا بھی علم ہے اور جسے پیغمبروں کی تاریخ سے واقفیت ہے اسے یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کہ ہم نے دوسری قوموں کی تقلید میں اپنا مقصد حیات تبدیل کر دیا ہے، اس لئے ہمارے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے، ہم نے وہی وسائل اور طریقہ کار استعمال کرنا شروع کر دینے میں جو دوسری قوموں کی سوچ کا منتہا ہیں، ہم میں اور دوسری قوموں میں داعی اور مدعو کی نسبت تھی، اس وقت ہم دنیا کی ساری قوموں کے فریق اور مقابل بن گئے ہیں، اسی حیثیت سے ہم دوسری قوموں سے معاملہ کرتے ہیں اور اسی حیثیت سے وہ ہم سے معاملہ کرتی ہیں، ظاہر ہے کہ اس

صورت حال میں ہمارے اور دوسری قوموں کے درمیان نفرت اور دشمنی میں اضافہ کے علاوہ کوئی اور امکان نہیں۔

نقطہ آغاز یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے مقصد کو پہچانیں، اس دنیا میں ہمارا مقصد خدا کی عبادت ہے، باقی ساری چیزیں اس اصل مقصد کی معاون، مسلمانوں کے لئے بہت اہم اور ضروری ہے کہ عبادات پر صحیح توجہ دیں اور اپنے ایمان و اسلام کو اپنے درمیان اور کھلی فضا میں پورے حوصلہ وعزم کے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کریں، ہماری اکثریت صرف نام کی مسلمان ہے، اسلام کے ارکان پر بہت کم لوگ عمل پیرا ہیں، اس سلسلہ میں سخت مہم اور جدوجہد کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو ایمان اور اسلام کے راستہ پر قائم کرنا ہماری بنیادی اور اولین ترجیح ہونا چاہئے۔

منصوبہ بندی:

اس بنیادی مقصد کی روشنی میں ہمیں ایک طویل المعیاد منصوبہ پر کام کرنا ہوگا جس سے ہمارے افراد اور ہماری جماعتیں ان خوبیوں سے متصف ہوجائیں جو دونوں جہاں کی کامیابی کے لئے کلیدی حیثیت کی حامل ہیں:

اس منصوبہ کا سب سے بڑا حصہ تعلیم کی فراہمی ہے، اسے یقین بنائیں کہ ہر مسلمان قرآن وسنت کی اس قدر تعلیم ضرور حاصل کرے جو اسے خدا کی بندگی کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے اور کچھ ایسے افراد تیار کئے جائیں جو اسلامی علوم میں تحقیق کے مقام پر فائز ہوں۔

اس کے بعد دنیاوی تعلیم پر توجہ کی جائے، دنیاوی تعلیم اس وقت صرف تعلیم نہیں، بلکہ ملازمتوں کے حصول اور باعزت مال کمانے کا سب سے اہم ذریعہ ہے، ہر گاؤں اور ہر شہر بلکہ ہر مسلم آبادی میں ہم یقینی بنائیں کہ مسلمان بچے تعلیم سے بہرہ ور ہوں، اس سلسلہ میں جو مالی اور غیر مالی موانع پیش آئیں ان کا حل نکالیں، تعلیم کے حصول کی راہ میں کسی عذر یا رکاوٹ کو حائل نہ ہونے دیں۔

ایسے ذرائع اپنائیں جن سے ہمارے بچے اعلی تعلیم اور اچھے معیار پر حاصل کریں، نادار گھرانوں کے بچوں کی فیس کی ادائیگی، ان کے لئے وظائف کا انتظام اور تعلیم میں کمزور بچوں کے لئے معقول ٹیوشنز کی سہولیات فراہم کی جائیں۔

امتیاز وتفوق ہماری خصوصیت ہونی چاہئے، اس وقت کسی میدان میں اسی کی قدر ہے جو فائق ہو، تفوق وامتیاز کے حامل کو فرقہ پرست اور تعصب پرست اور تعصب پسند بھی نظرانداز نہیں کرسکتے۔

دوسرا اہم منصوبہ رفاہی کاموں کا قیام ہے، جو لوگ روزمرہ کی غذائی اشیاء سے محروم ہیں انہیں تحفظ فراہم کیا جائے، لڑکیوں کی باعزت شادی کی سعی کی جائے، حکومتوں کی بعض پالیسیوں کی وجہ سے بہت سے مسلمان اپنے ذرائع آمدنی سے محروم ہورہے ہیں، ان کے لئے صحیح متبادل کا نظم کیا جائے۔

اخلاق اور بلند کردار کی تعمیر اس منصوبہ کا اہم حصہ ہے، ہماری اخلاقی حالت دوسروں سے بہتر نہیں، ہمارے اندر بے حیائی، فحاشی، بددیانتی عام ہے، بے صبری اور غصہ کی زیادتی کی وجہ سے بہت سے اخلاقی بیماریاں پیدا ہورہی ہیں، علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کے اخلاق بھی گرے ہوئے ہیں، مال وجاہ کی محبت بڑی ہوئی ہے "من حیث القوم" ہمارا بقاء ان اخلاقی قدروں پر منحصر ہے، ہمارے خاندانوں اور ہماری اجتماعیت کے انتشار کا ایک اہم سبب ہماری اخلاقی کمزوریاں ہیں، ہم عورتوں، بچوں، والدین، اعزاء واقرباء، فقراء اور یتامی کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے احترام سے بڑی حد تک غافل ہیں، ان امور پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، اخلاقی تربیت کے منظم پروگراموں کا انعقاد ہماری اصلاحی کوششوں کا بنیادی حصہ ہونا چاہئے۔

غیر مسلموں سے اچھے تعلقات قائم کریں، غیر مسلم پڑوسیوں کا خیال کریں، ان کو تحفے تحائف دیں، تقریبات میں انہیں مدعو کریں، ہر محلّہ کے اندر ذات پات اور طبقاتی و اجتماعی تقسیمات سے بالا ہوکر مسلمانوں اور غیر مسلمانوں کے مشترکہ اجتماعات منعقد کریں جن میں کھانے پینے کا انتظام ہو، انسانی اور ملکی و دیگر باہم دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال ہو، ہم ان کے بچوں اور بوڑھوں سے اپنی دلچسپی کا اظہار کریں، یہ قریبی تعلقات جس قدر استوار ہوں گے، اسی قدر میڈیا اور اسلام اور مسلمان دشمن تنظیموں کے منفی اثرات کم ہوں گے۔

موجودہ حالات میں ہمیں بے انتہا صبر وتحمل سے کام لینا ہوگا، ہمیں ہر وقت بھڑکانے کی کوشش کی جائیں گی، ہمارے محلوں سے مذہبی اور غیر مذہبی جلوس نکال کر ہمیں مشتعل کیا جائے گا، عبادت گاہوں کو ملوث کیا جائے گا، ان سارے موقعوں پر ہم اشتعال انگیزی سے بچیں، نعروں اور شعور ہنگاموں کا جواب خاموشی سے دیں، عراق اور شام کی صورت حال سے ہمارے مخالفین کو ایک نیا راستہ نظر آ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ بجائے غیر مسلم اور مسلم فسادات کے، مسلمانوں کے اندر جو اختلافات ہیں ان کو ابھارا جائے اور انہیں ایک دوسرے سے لڑا دیا جائے، اس وقت ہم تاریخ کے ایک اہم مرحلہ سے گزر رہے ہیں، اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ملت کے لئے کام کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا، ہم میں سے ہر ایک کو یہ طے کرنا ہوگا کہ شیعہ سنی اختلافات، دیوبندی، بریلوی اور سلفی و غیر سلفی ترجیحات کو صرف کلاس روم تک محدود رکھیں، مسجدوں اور سارے عوامی اجتماعات میں ہمیں مسلکی اور فرقہ وارانہ اختلافات ختم کرکے ایک دوسرے سے دین کی اصولی باتوں پر اتحاد کو تقویت دینی چاہئے اور ملت کے عمومی مصالح کے لئے اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کو ہنسی خوشی قربان کرنے کی تربیت حاصل کرنی چاہئے۔

خاتمہ:

یہ افکار وخیالات اسی وقت مؤثر ہوسکتے ہیں جب انہیں ایک تحریکی شکل دی جائے، ان میں سے ہر منصوبہ کی تطبیق کے لئے الگ الگ تنظیمیں بنائی جائیں، جو ملک کے ہر گوشہ میں ان ہدایات کی نشر واشاعت اور ان کے اجراء کا کام کریں، الحمدللہ بعض جگہوں پر ان اصولوں کی روشنی میں کچھ کام شروع ہو چکا ہے اور اس وقت اسی کو آگے بڑھانے اور مزید منظّم کرنیکی کوشش تیز کرنی چاہئے، دعا کریں کہ اللہ تعالی ہمیں حوصلہ اور ہمت سے کام کرنیکی توفیق دے اور تبصرہ بازی اور لعن وتشنیع سے ہماری حفاظت فرمائے۔

❁❁❁

مرکز میں مہمانوں کے ایک وفد کی آمد

۳۰/اگست ۲۰۱۹ء جمعہ کے روز مرکز کے رئیس مولانا مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی دعوت پر آکسفورڈ (یوکے) سے مولانا ڈاکٹر محمد اکرم صاحب ندوی کی قیادت میں ان کے شاگردوں کے ایک ۲۰ رکنی وفد کی مرکز میں تشریف آوری ہوئی، جس میں شیخ محمد زید الاسلام، جناب عبدالجلیل، جناب عبدالمحیط، جمیل احمد، محمد سفیان اور مکہ مکرمہ سے شیخ عبداللہ التوم پروفیسر ام القری یونیورسٹی، مکہ مکرمہ کے علاوہ ۱۰ خواتین بھی شامل تھیں، ان کا قیام مرکز کے اسلامک سینٹر کے مہمان خانہ میں رہا۔

اگلے دن جامعہ فاطمۃ الزہراء للبنات میں شیخ محمد اکرم ندوی نے بخاری شریف کا افتتاح کرایا، جس میں حدیث پر تفصیل سے کلام کیا، بعدہ جامعہ امام ابی الحسن الاسلامیہ کے طلبہ کو مرکز کی جامع مسجد میں مجمع عام کے سامنے علوم اسلامیہ کی قدردانی اور اس کی اہمیت کے عنوان سے خطاب کیا، شیخ عبداللہ التوم نے بھی عربی زبان میں خطاب کیا اور اپنے اپنے تأثرات کو یہاں کے معائنہ رجسٹر میں درج کیا۔

رہنمائے طلبہ

طلبہ تحریک کو درپیش چیلنجز

انجینئر مصطفیٰ محمد طحان..................ترجمہ: ڈاکٹر عبدالحمید اطہر ندوی بھٹکل، کرناٹک

داخلی اختلافات اور اندرونی خلفشار:

یہ طلبہ تحریک کی بڑی اندرونی رکاوٹوں میں سے ہے، اس سے تحریک کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کے نتائج اور ثمرات میں کمی آتی ہے، اگر اس کا تدارک اور مقابلہ نہ کیا جائے تو اس کے نتیجے میں تحریک ختم ہوجاتی ہے، عام طور پر یہ خلفشار ایک دوسرے کی رائے کا احترام اور اختلاف کے آداب کی رعایت نہ کرنے اور ذاتی اختلافات یا بعض شدید فکری اختلافات اور افکار کو اپنانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، اسی طرح ان جھگڑوں کا سبب کاموں میں اخلاص کا نہ ہونا، ذاتی مفادات میں اضافہ، اپنی رائے پر ضد، طلبہ تحریک کے مفادات کی رعایت نہ رکھنا اور ذاتی یا قبائلی یا مسلکی مفادات پر طلبہ تحریک کے مفادات کو فوقیت نہ دینا ہے۔

ان حالات کی سنگینی کی وجہ سے متعدد مشکلات اور سخت منفی مسائل پیش آتے ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

۱- طلبہ تحریک سے کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، کیونکہ ان حالات میں طلبہ کی صحیح نمائندگی کرنے والا کوئی رجحان نہیں پایا جاتا۔

۲- صحیح طلبہ تحریک کے نہ ہونے کی وجہ سے اخلاقی یا فکری طور پر منحرف رجحانات وجود میں آتے ہیں۔

۳- اندرونی خلفشار سے دشمن ذرائع ابلاغ کے میدان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور طلبہ تحریک کی صورت مسخ کرتے ہیں۔

۴- طلبہ تحریک کے اداروں کو کالعدم کرنے، یا اس کے اصولوں میں تبدیلی لانے، یا قائدین کو نظر بند کرنے اور اختلافات کو سبب بنا کر طلبہ تحریک پر پابندی عائد کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

۵- حقیقی طلبہ تحریک کی عدم موجودگی، ہر فریق اپنے دفاع یا دوسرے فریق پر حملے ہی میں مشغول رہتا ہے۔

ان حالات میں طلبہ تحریک کو دو مقاصد پر توجہ دینا ضروری ہے:

۱- نئے خلفشار کو روک کر اور موجودہ خلفشار پر قابو پا کر داخلی صف کی حفاظت۔

۲- طلبہ تحریک کی حفاظت اور اس کو رسوا ہونے اور اس پر پابندی لگنے سے بچاؤ اس کی پیداوار کی حفاظت اور طلبہ سے رابطہ۔

ان حالات میں طلبہ تحریک کی پالیسی مندرجہ ذیل ہوتی ہے:

۱- صحیح طلبہ تحریک پر توجہ، طلبہ پر توجہ اور جھگڑوں اور اختلافات کے چکر میں نہ پڑ کر ہمیشہ انتاج پر توجہ اور ہمیشہ طلبہ سے رابطہ کرنے کی کوشش۔

۲- اختلافات کی اصل وجوہات کی تحقیق، ان کو ختم کرنے کی کوشش اور اختلافات کے جڑ پکڑنے سے پہلے علاج۔

۳- بنیادی اتفاقی نکات پر توجہ مرکوز کرنا، یہ نکات بہت سے ہوسکتے ہیں، حتی الامکان اختلافی مسائل سے دوری، اختلافات کے آداب کی رعایت، اتحاد پیدا کرنے اور اختلافات کو دور کرنے کی کوشش۔

۴- دوسروں کے افکار ونظریات کو قبول کرنے اور اختلاف کے آداب کو سیکھنے کی طلبہ کو تربیت دینا اور اس کا شعور بیدا کرنا۔

۵-تحریکی کام کرنے اور اختلافات کے ہونے کے درمیان فرق کرنا اور دونوں کو ایک دوسرے سے خلط ملط نہ کرنا۔

۶- اختلافات کی صورت میں لوگوں میں مقبول شخصیت یا اداروں کو بحیثیت حکم تعیین کرنے کی کوشش کرنا یا ایسے اصول وضوابط متعین کرنا جن سے اختلافات حل کئے جاسکتے ہوں۔

۷- ہمیشہ بڑے مسائل پر توجہ، کیونکہ اس سے کارکنان کم اہمیت والے مسائل پر غور وخوض کرنے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔

طلبہ تحریک کا سمٹ جانا:

کبھی طلبہ تحریک سمٹ جاتی ہے، اپنی ذات تک محدود رہتی ہے اور دوسروں سے رابطہ نہیں رکھتی، اس کے دو اسباب ہیں:

۱-اندورنی: یہ حالات طلبہ تحریک کے موجودہ کاموں پر کارکنوں کی قناعت کرنے اور اپنے کاموں میں ترقی لانے کے لئے دوسروں کے تجربات سے فائدہ نہ اٹھانے سے پیدا ہوتے ہیں۔

۲- خارجی: ان حالات میں طلبہ تحریک کا کوئی دخل نہیں ہوتا، اس سے طلبہ تحریک کے تسلسل میں دور کاوٹیں آتی ہیں۔

(۱) امن وامان کی رکاوٹ: طلبہ تحریک پر دباؤ اور پابندی۔

(۲) مکانی رکاوٹ: طلبہ تحریک کا دور دراز علاقوں میں پایا جانا، جہاں رابطہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔

طلبہ تحریک کے سمٹ جانے کی وجہ سے بہت سے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱- مقاصد ومنصوبوں کا محدود ہونا، اپنی ذات تک محدود رہنا اور ترقی نہ کرنا۔

۲- صرف تصورات وخیالات اور افکار میں امت کے مسائل کا رہنا، اس سے امت کی طرف نسبت میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔

۳- نئے وسائل اور اسلوبوں سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے طلبہ تحریک میں ترقی کا نہ ہونا۔

۴- وسیع پیمانے پر طلبہ تحریک کے خارجی تعلقات کا فقدان کیونکہ اس کے نتیجے میں باہر طلبہ تحریک کی مدافعت اور تعاون کرنے والے اس کو کسی صورت میں بھی نہیں ملتے۔

۱- دوسروں کے ساتھ تعلقات کو فروغ دینا، اس کی ابتداء ذرائع ابلاغ کے میدان سے ہونی چاہئے، رسائل ومجلّات اور میعادی نشریات کو امت کے پسماندہ علاقوں میں پھیلانا۔

۲- حتی الامکان خارجی سیمیناروں میں شرکت اور اپنے علاقے کی طلبہ تحریک کی نمائندگی۔

۳- خارجی طلبہ تحریک کے قائدین کو ترقی یافتہ ملکوں میں سیمیناروں میں شریک ہونے یا صرف سیاحت اور طلبہ تحریک کے تجربات سے مطلع ہونے کے لئے دعوت دی جائے۔

۴-مختلف ممالک میں کامیاب تجربات کی منتقلی اور ان کا نفاذ۔

۵-طلبہ تحریک کے مختلف میدانوں میں تجربات کے تبادلے کے لئے دائمی ربط رکھنے والی کمیٹیوں کی تشکیل۔

۶- رابطہ، تجربات کے تبادلے اور اصولوں میں یکسانیت پیدا کرنیوالے وسائل میں سے ایک وسیلہ کے طور پر تربیت پر زور۔

خوشحال معاشروں میں طلبہ تحریک کا طریقہ کار:

یہ حالات عام طور پر متعدد مغربی ممالک اور بعض مالدار اسلامی ملکوں میں پائے جاتے ہیں، جہاں معاشرے میں مادی معیار کی بلندی کی وجہ سے معاشرے کے افراد میں زیادہ خوش حالی سے طلبہ تحریک کو واسطہ پڑتا ہے، بنیادی اور اضافی ضروریات

تقریباً تمام افراد کو مہیا ہوتی ہیں، اکثر طلبہ کو من پسند چیزوں کے حصول میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور گھر والوں کی طرف سے نگرانی بھی کم رہتی ہے، والدین اپنے کام میں مشغول رہتے ہیں، یا خوش حالی میں مست، ان کو اپنی اولاد کی فکر بہت کم رہتی ہے۔

ان حالات کے نتیجے میں آنے والی اہم مشکلات:

۱- طلبہ میں سنجیدگی کی کمی، راحت اور خوش حالی کی طرف شدید میلان اور سنجیدہ طلبہ تحریک سے دوری۔

۲- عیش وطرب اور خوش حالی کی وجہ سے اور نگرانی کے نہ ہونے کی وجہ سے اخلاقی بگاڑ کا عام ہونا۔

۳- کسی چیلنج کے نہ ہونے کی وجہ سے طلبہ تحریک میں کوتاہی، روٹین اور کمزوری رہتی ہے۔

۴- پختہ، پاک دامن، سنجیدہ، انتاجی صلاحیت رکھنے والی شخصیت کے طور پر طالب علم کی تربیت میں دشواری۔

۵- علاقائیت اور نسل پرستی کا ظہور اور امت کے مسائل اور مطالبوں کے احساس میں کمی۔

ان حالات میں طلبہ تحریک کی پالیسی مندرجہ ذیل ہوتی ہے:

۱- معاشرے اور طلبہ کے بلند مادی وسائل سے طلبہ تحریک کو آگے بڑھانے اور اس کیلئے مالی تعاون حاصل کرنے کی کوشش۔

۲- اس طرح کے معاشرے میں طلبہ کے لئے جاذب نظر اور اپنی طرف مائل کرنیوالے وسائل پر اس طور پر توجہ کہ طلبہ تحریک کے وسائل مفید اور بامقصد ہونے کے ساتھ ساتھ آرام دہ اور تفریحی بھی ہوں۔

۳- معاشرے کے مسائل پر طلبہ کی توجہ کے معیار کو بلند کرنے کے لئے وسیع المیعاد پروگرام کی تیاری، اس میں انفرادی خوش حالی سے لیکر مستقبل اور انفرادی مسائل پر توجہ پھر معاشرے کے مسائل پر توجہ، اس کے بعد ملک اور ملت پر توجہ بھی شامل ہو۔

۴- خصوصاً طلبہ اور طلبہ تحریک سے منسلک افراد پر تربیتی اعتبار سے توجہ، اس کے ساتھ سنجیدگی اور تواضع پیدا کرنے والے پروگراموں اور امت کے مسائل پر توجہ۔

۵- طلبہ برادری اور معاشرے میں اخلاقی بگاڑ کی تمام قسموں اور شکلوں سے جنگ، اخلاقی بگاڑ کے خلاف برسر پیکار سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کے ساتھ تعاون اور اچھے اخلاق کو عام کرنے کی کوشش۔

۶- عالمی طلبہ تحریک کے ساتھ دائمی رابطہ، طلبہ کے علاقائی اور عالمی مسائل پر توجہ اور امت کے مسائل کی ذمہ داری اپنے ذمہ لینا اور ان کا دفاع کرنا۔

اخلاقی اعتبار سے گرے ہوئے معاشرے میں طلبہ تحریک کا طریق کار:

اخلاقی اعتبار سے گرے ہوئے معاشرے عالم اسلام اور تیسری دنیا کے ممالک میں پھیل رہے ہیں، بلکہ زمانے کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اخلاقی گراوٹ کی بیماری مغربی اور مشرقی معاشروں میں یکساں طور پر منتقل ہو رہی ہے، اس کے نتیجے میں طلبہ پر منفی اثرات پڑ رہے ہیں اور معاشرے کی بیماری طلبہ کو بھی لگ رہی ہے، اگر طلبہ برادری میں اخلاقی گراوٹ کا تدارک نہیں کیا گیا تو اس کے مزید برے اثرات پورے معاشرے میں پھیل جائیں گے، اگر طلبہ کے معاشرے میں ان کا تدارک کیا گیا تو یقیناً معاشرے میں ان کے حل کی صحیح ابتدا ہوگی اور طلبہ ہمیشہ کی طرح معاشرے میں مثبت اور سنجیدہ اور انتاجی صلاحیت رکھنے والے سرخیل کا رول ادا کریں گے۔

منفی اثرات کے کئی اسباب ہوسکتے ہیں، ان میں اہم مندرجہ ذیل ہیں:

۱- سخت سیاسی دباؤ، آزادی کا نہ ہونا، ڈکٹیٹرشپ، مہذب

معاشرے کے اراکین اور معاشرے کے شورائی اور جمہوری اداروں میں انتشار، سیاسی پابندی جتنی مدت تک رہے گی معاشرے میں منفی اثرات کا مسئلہ جڑ پکڑتا جائے گا اور اس کی پیچیدگی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

۲- اقتصادی حالات، اقتصادی اعتبار سے کمزور ملکوں میں غریبی عام ہوتی ہے اور لوگ زندگی گزارنے کے لئے معاش کی تلاش میں ہی لگے رہتے ہیں، اس کے نتیجے میں منفی اثرات پھیل جاتے ہیں اور ہر انسان اپنے ذاتی اور اپنے خاندان کے مسائل میں الجھا رہتا ہے، اقتصادی اعتبار سے مضبوط ملکوں میں لوگ پیدا وار بڑھانے، مال جمع کرنے اور صرف اپنے معاشی حالات کو سدھارنے میں مشغول رہتے ہیں اور خالی اوقات میں راحت، تفریح اور خوش حالی میں مست رہتے ہیں، اس وجہ سے اگر ان کی ذاتی زندگی میں مسائل نہ آئیں تو عام مسائل پر بہت کم توجہ رہتی ہے۔

۳- طلبہ کے میدان میں یا سیاسی یا اقتصادی یا معاشرتی زندگی میں ناکام تجربات کو بار بار دہرانا، ان حالات میں طلبہ تحریک کی پالیسی مندرجہ ذیل ہوتی ہے:

ا- طلبہ تحریک کی طرف سے کام کرنے والوں کے سرخیل گروپ میں اثباتی روح کو عام کرنے پر توجہ دے، مثبت اقدار اور مستقبل کے تعلق سے امیدوں کو عام کرنے، بہترین تبدیلی لانے کے لئے کوششیں کرے اور اس کے علاوہ دوسرے اہم اقدار کی نشر و اشاعت کے لئے وسیع المیعاد و تربیتی پروگرام کی تیاری کے ذریعہ یہ کام کیا جاتا ہے۔

۲- خصوصا طلبہ تحریک اور عموماً معاشرے کے اداروں کے کامیاب پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش، کامیابی میں تسلسل کی کوشش اور ناکامی سے بچاؤ کی فکر۔

۳- سیاسی پابندیوں کا مقابلہ اور عام آزادیوں کو بحال کرنے کی کوشش اور اس سلسلے میں معاشرے کے جمہوری اداروں کے ساتھ تعاون، آزادی اور شورائی نظام کے تئیں حکومت کے ذمہ داروں کے اطمینان میں اضافہ کرنے کیلئے حکومت کے ساتھ مسلسل تبادلہ خیال۔

۴- مثبت امور کو واضح کرنے، کامیاب پہلوؤں پر توجہ مرکوز کرنے اور امیدوں کو عام کرنے کے لئے طلبہ اور حکومت کے میڈیائی اداروں میں ذرائع ابلاغ کے پہلوؤں پر توجہ دینا۔

۵- عالمی طلبہ تحریک کے ساتھ رابطہ، کامیاب تجربات کی منتقلی اور ان تجربات کو قابل تقلید نمونوں کے طور پر اجاگر کرنا۔

۶- معاشی اعتبار سے معاشرے کو ترقی دینے کی کوشش، علمی تفوق و امتیاز حاصل کرنے کیلئے طلبہ کا تعاون، کام کے مناسب موقعوں کی تلاش اور کامیاب اقتصادی اداروں کا قیام۔

۱۰- مالی وسائل کی کمی:

مالی وسائل کی کمی بہت سے ملکوں میں طلبہ تحریک کو درپیش مشکلات میں سے ایک ہے، مالی وسائل میں کمی کے دو معیار:

(ا) طلبہ تحریک میں:

طلبہ تحریک کے مالی وسائل میں کمی پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے یہ وسائل ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتے، اس کا سبب معاشرے میں غربت کا عام ہونا اور طلبہ تحریک کے لئے ضروری مالی وسائل کی عدم فراہمی ہے۔

(۲) طلبہ میں انفرادی طورپر:

جب غریبی عام ہوتی ہے اور طالب علم اپنی بنیادی ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتا ہے تو اس کے اثرات اس کی درسی صلاحیت اور اس کے نتیجے میں طلبہ تحریک پر پڑتے ہیں۔

جائزہ

مغربی تہذیب کی مسلسل ناکامی اور ذرائع ابلاغ

شیخ محمد عدنان علی نحوی، مصر

آج مغرب اور اس کا سرغنہ امریکہ جو اپنے تئیں ترقی یافتہ، عدل پرور وعدل گستر زورآور وطاقتور ہونے کا دعویدار ہے، غرور وتکبر، افراط زر، خوشحالی وفارغ البالی نے اپنے دام فریب میں پھنسا لیا ہے، جس کے نتیجے میں اسے سروں پر منڈلاتے خطرات کے بادلوں کا مطلق احساس نہیں اور نہ فقراء ومساکین، مظلوموں اور فریادیوں کی تکالیف ومصائب ہی کا خیال ہے۔

دوسری جانب مغربی میڈیا کی صدائے بازگشت ہے جو ظلم وبربریت، فتنہ وفساد کو فروغ دے رہی ہے، مغربی میڈیا بالخصوص امریکی ذرائع ابلاغ نے اکثر ممالک کو اپنی فتنہ سامانیوں کا لقمہ تر بنانے میں کامیابی حاصل کی ہے، جس کی وجہ سے ان ملکوں میں رقص وسرور کی محفلیں سجی ہوئی ہیں، جنسی جذبات میں ہیجان برپا کرنے والی فلموں اور فحش وعریانیت سے لبریز گانوں سے جنسی جذبات کی تسکین کا سامان فراہم کیا جارہا ہے، اس مادی وملحدانہ تہذیب وثقافت نے تبت سے امازون (Amazone) اور ہندوستان تک تمام علاقوں کو اپنے آہنی شکنجہ میں کس چکی ہے، مشرقی روس اور ایران کے افق پر ۵۰۰/مصنوعی سیارے (Satellites) مغربی کلچر کے فروغ کے لیے مسلسل سرگرم عمل ہیں، نتیجتاً نوخیز جوان پروگراموں کو دیکھنے کے بعد اپنی سابقہ زندگی اور ماحول سے کٹ کر Rock and Roll کی فضا میں نشوونما پارہے ہیں، اب نوبت بایں جارسید کہ والٹ ڈیزنی مسلسل عالم انسانیت پر فکری یلغار کررہا ہے، اور اس کے سہارے امریکی میڈیا اتحاد واتفاق باہمی تعاون اور مفاہمت کے بجائے عداوت ونفرت، کشیدگی وکشمکش، انتشار وافتراق کی راہ میں کوشاں ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ میکی ماؤس کے کارٹونوں کی پوری انسانی برادری میں دھوم مچی ہوئی ہے۔

روپرٹ مردوچ (Rupert Murdouch) آج متعدد مصنوعی سیاروں کے مالک ہیں، جن کے ذریعہ وہ عالم عرب میں چینی، کوریائی، ہندوستانی اور عربی حسیناؤں کی فحش وعریاں تصاویر نشر (Broadcast) کرتے ہیں۔

فلمی دنیا میں کام کرنے والے اداکار وادا کارہ اپنی پسندیدہ موسیقیوں اور گانوں سے نوخیز جوانوں کی عقل ودماغ، شعور و احساسات، تمناؤں اور خواہشات کو غلط رخ دے کر اپنے دام فریب میں پھنسانا چاہتے ہیں، فٹ بال، واسکٹ بال اور دیگر کھیلوں کے میچوں اور ٹورنامنٹ نے اس جلتی آگ پر مزید تیل چھڑک دیا ہے۔

اس وقت ذرائع ابلاغ نے دنیا میں وہ طوفان بدتمیزی مچارکھا ہے کہ الامان والحفیظ نہ جانے کتنے شہوت پرستوں کو شہوت پرستی کی آگ میں جھلسا کر رکھ دیا ہے، نامعلوم اس طوفان نے کتنے عزم وارادے کے پہاڑوں کی اپنی تندوتیز موجوں سے ٹکرا کر پاش پاش کردیا ہے، کتنی ہی مروت وعزت نفس کا خون کیا ہے، کتنے ہی افراد واشخاص کو خواب مدہوشی میں تھپک تھپک کر سلادیا ہے، آہ! اس طوفان کی سرکش لہروں نے تبت سے امازون تک،

قطب شمالی سے قطب جنوبی تک تمام علاقوں کو تاخت وتاراج کردیا اور سارا کرۂ ارض اس طوفان بلاخیز کی متلاطم لہروں کے سامنے تودۂ خاک ثابت ہوا، یقیناً اس طوفان نے ملحدانہ رجحانات ومیلانات رکھنے والی ایک پوری نسل تیا کردیا ہے جس کا مقصد دنیا میں وہ عالم گیریت (Globalization) قائم کرنا ہے جو لوگوں کے مابین مادی بنیادوں پر تعلقات استوار کرنا چاہتی ہو، اگر ہم اس کو قتل وخونریزی، اغوا کاری ولوٹ مار کی عالم کاری سے تعبیر کریں تو بیجا نہ ہوگا؛ لیکن اس قتل وغارت گری، خونریزی وسفاکی کے ذمہ دار صرف میڈیا، فحش فلمیں اور عریاں تصاویر ہی نہیں ہیں بلکہ سیاحوں اور فلمی اداکاروں کا اس میں اہم رول ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب سیاحت بھی قتل وغارت گری، فتنہ وفساد کا آلہ کار بن چکی ہے۔ یا للعجب!

دنیا میں جن چند شہروں نے مادیت کی فضا میں پرورش پائی ہے آج وہ اس کے علمبردار بنے بیٹھے ہیں، جس کی واضح مثال ملیشیا کی راجدھانی کوالالپور ہے جس کے سڑکوں اور عمارتوں پر مادیت کی ریل پیل صاف نظر آتی ہے، اسی شہر میں دنیا کی بلند ترین سربفلک عمارت کھڑی دعوت نظارہ دے رہی ہے، بیجنگ (Bea-jing) اور شنگ میں تو فلک بوس عمارتوں کی ایک قطار موجود ہے، بینکاک نے کاروں اور موٹرسازی میں ڈیٹرویٹ کو بھی مات کردیا ہے، اسی طرح ہندوستان میں ممبئ نے فلم سازی میں بالی ووڈ کو پیچھے کردیا ہے۔

شہر شنگ میں ایک معاشی سینٹر کی تعمیر جاری ہے تاکہ اس کے ذریعہ امریکہ اور ٹوکیو میں موجودہ معاشی سینٹر پر اپنی برتری ثابت کی جاسکے، الغرض دنیا میں اس وقت تجارتی اور صنعتی اداروں کے درمیان خوفناک مقابلہ آرائی (Compitetion) شدید تعارض اور نزاع باہمی کی بادسموم کے وہ تیز جھکڑ چل رہے ہیں جس میں فقراء ومساکین کے لیے رحم وکرم کا ادنی ذرہ بھی نہیں، یوں معلوم ہوتا ہے کہ ساری دنیا ایک تجارتی منڈی میں تبدیل ہوچکی ہے، جس میں انسانیت کے لیے کوئی خیر نہیں ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس منڈی میں رسوائے زمانہ مجرمین بڑے کروفر کے ساتھ دندناتے پھر رہے ہیں، جہاں کمزوروں، غریبوں اور مسکینوں کا استحصال ہوتا ہے، یہ ہے عالم گیریت جس میں لاچار اور سسکتی بلکتی انسانیت کے لیے ترقی کی کوئی راہ نہیں، اس میں صرف شرارت پسندوں اور فتنہ پردازوں کیلئے جگہ ہے، جہاں وہ نت نئے اسلحوں اور ہتھیاروں سے لیس ہوتے ہیں، ہاں یہی ہے عالمگیریت، یہی ہے خواہشات کی آماجگاہ یہی ہے ہوس پرستوں کی عالم کاری۔

واضح رہے کہ پوری دنیا میں اس وقت صرف ۲۵۸/افراد ۲۵/ارب دولت پر قابض ہیں، ان مالداروں کی دولت وثروت حد سے بڑھی ہوئی ہے، بے اعتنائی اور بے جا اسراف نے ترقی پذیر ممالک کو دیا جانے والا امدادی سرمایہ (Fund) کا معیار پست کردیا ہے، جرمنی کے امدادی فنڈ کا معیار ۳۷/سے ۳۱/تک گرچکا ہے، ۱۹۹۶ء کے اعداد وشمار کے مطابق ترقی پذیر ممالک کے ناتواں کندھوں پر قرض کا بارگراں ایک ہزار ارب ڈالر تک جا پہنچا ہے، نتیجتاً وہ تنزل وانحطاط، غربت وافلاس کے شکار ہوگئے۔

یہ عالم گیریت کی المناک صورت حال کی ایک تصویر ہے، جس سے یہ بات مزید منقح ہوجاتی ہے کہ عالم گیریت کس سرعت وبرق رفتاری سے دنیا میں اپنے قدم جمارہی ہے اور فضا کو مکدر ومسموم کررہی ہے، عالم گیریت مجرموں کی ہمنوا اور فقراء ومساکین کی دشمن ہے، یہ جرائم پیشہ افراد کے سرمایہ میں اور محتاجوں اور بینواؤں کی محتاجگی وبے نوائی میں اضافہ کرتی ہے، چنانچہ عوام جب اس زہرآگیں اژدہے کے زہر ہلاہل سے نجات پانے کے لیے کوئی راہ تلاش کرتے ہیں تو انہیں جنگ وجدال کے سوا کوئی راہ

نظر نہیں آتی اور ان جنگوں کا فائدہ انہیں مجرمین کو ہوتا ہے، ان مجرمین کا مقصد ہی یہ ہے کہ ملک کے اندر کسی طرح خانہ جنگی اور فرقہ وارانہ فسادات کو ہوا دے کر بھڑکایا جائے، جنوبی افریقہ میں پیش آمدہ واقعات اس حقیقت کو واشگاف کرنے کیلئے کافی ہیں، جہاں پر ایک ہی سال کی قلیل مدت میں نسل پرستانہ داخلی انتشار کے نام پر تقریباً سترہ ۱۷ر ہزار انسانوں کو تہہ تیغ کر کے ہمیشہ کے لیے موت کے آغوش میں سلا دیا گیا۔

اس وقت افریقہ امراض کے عالم کاری سے نبرد آزما ہے، آئے دن نت نئے امراض کا سامنا کرنا پڑتا ہے، امن وسلامتی کا مکمل فقدان ہے، امراض کے پھیلنے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایوری کوسٹ (ساحل عاج) کے ۱۰ر فیصد افراد ایڈز جیسی مہلک بیماری کے شکار ہو چکے ہیں۔

مزید برآں افریقہ اور اس جیسے دیگر ممالک کو عالم گیریت کے خطرناک مقاصد کو بروئے کار لانے کے لیے بطور آلۂ کار استعمال کیا جارہا ہے، لہٰذا ان ممالک کو مستقبل قریب میں سخت خونیں جنگوں کا اندیشہ ہے۔

یہ رہا افریقہ کا معاملہ، اب آیئے ہندوستان جو کروڑہا انسانوں کا مسکن ہے، اس ملک میں منصوبہ بندی اور پلاننگ کا فقدان ہے، مواصلاتی نظام (CommunicationSystem) انتہائی ناقص اور فرسودہ ہے، یہاں پر انسداد امراض کے لیے مناسب تدابیر اختیار نہیں کی جاتیں آج اس ملک کی حالت یہ ہو چکی ہے کہ فقراء کے زخموں پر مرہم رکھنے والا اور ان کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہیں، بلدیہ (Corporation) کا عملہ کوئی کام کرنے کے بجائے تنخواہ خوار ہو چکا ہے، جب کہ یہ ملک کسی وقت سونے کی چڑیا کہلاتا تھا۔

اس وقت دنیا انہیں پرآشوب حالات سے گزر رہی ہے، اغنیاء تن آسانی وتن پروری کے خواہاں اور دلدادہ ہو چکے ہیں، آج بزعم خود حقوق انسانی (Human Rights) کا سب سے بڑا نام نہاد علمبردار یورپ اس کی پامالی کر رہا ہے، ایک مرتبہ یوروپی وزیر نے چینی وزیر سے حقوق انسانی کی پاسداری کا مطالبہ کیا تو اس نے صاف جواب دیا، کیا تم اپنے ملک میں صرف ایک سال ۱۰ر یا ۱۵ر ملین چینیوں کیلئے خورد ونوش اور رہائش کا انتظام کر سکتے ہو؟۔

یورپین ارباب فکر ونظر دور حاضر کے المناک واقعات پر گفتگو کرتے ہوئے خوب ڈینگیں ہانکتے ہیں؛ لیکن کیا واقعی وہ ان واقعات کے ازالہ کے لیے میدان عمل میں قدم رکھتے ہیں؟۔

لہٰذا یہ بات روز روشن کی طرح نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ مغربی تہذیب انسانوں کو ایک پرامن، محفوظ، صالح اور صاف ستھرا معاشرہ دینے میں مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے، مسلسل داخلی وبیرونی جنگوں نے انسانی معاشرہ کو خوف وہراس میں مبتلا کر دیا ہے، روزانہ کی خوفناک واردات نے مزید دہشت زدہ کر دیا ہے، جب کہ امریکہ اور یورپ میں کئے گئے تمام وعدے ردی کے ٹوکرے کی زینت بن چکے ہیں۔

یہ صورت حال بزبان حال گویا ہے کہ اے قافلہ انسانیت کے مظلوم ومکروب انسانو! اگر تم میں سے کسی کے پاس اتنی سکت اور طاقت ہو کہ وہ اپنے وجود کو مغربی کلچر کی غلاظت سے نکال کر اسلامی ثقافت کے آغوش میں ڈال دے تو اسے چاہئے کہ اس کے لیے کوشاں ہو جائے، یہ سرمایہ کاری، یہ جمہوریت، یہ ذرائع ابلاغ ان کے سائے میں کسی انسان کی امید پوری نہیں ہوسکتی، فقراء کے غم واندوہ کا مداوہ نہیں ہوسکتا، مریضوں کا خاطر خواہ علاج اور ان کا غم دور نہیں ہوسکتا۔

یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ دنیا کے ۲۰ر فیصد افراد ۸۴ر فیصد سرمایہ پر قابض وحاکم ہیں، جس کے نتیجے میں اغنیاء اور

فقراء کے درمیاں خلیج وسیع تر ہوتی چلی جا رہی ہے، ترقی کے لیے یہ مالی فنڈ ناکافی ثابت ہو چکا ہے، دنیا افتراق واختلاف اور عالمگیریت کی چکی میں پس رہی ہے، گویا دو مخالف طاقتیں ہیں جو باہم برسرپیکار ہیں۔

اللہ تعالی لوگوں کو خواب مدہوشی سے بیدار کرنے کے لیے انہیں عذابات اور بلائے ناگہانی میں وقتاً فوقتاً مبتلا کرتا رہتا ہے تاکہ ان کے سوچنے اور غور وفکر کا محور تبدیل ہو، وہ قعر ضلالت سے نکل کر شاہراہ ہدایت پر گامزن ہوں، یہ سونامی کی بلاخیزی، جاوہ اور کیتھرینا کے موجوں کی سرکشی وطغیانی، یہ زلزلوں کی تباہی ورست خیزی، یہ آتش فشاں کی ہنگامہ پردازی اس بات کا ثبوت فراہم کر رہی ہے کہ اللہ لوگوں کو آگاہ اور غفلت سے ہوشیار کرنا چاہتا ہے لیکن آہ......لوگ ان باتوں سے بے پرواہ ہوکر ان عذابات سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور ان کو قدرتی (Naturally) کہہ کر جواز فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، میں ان عاقبت اندیشوں سے پوچھتا ہوں کہ آخر یہ قدرت کسی چڑیا کا نام ہے؟ اس کا اندازفکر کیا ہے؟ کیا کام کرتی ہے وہ؟ ان بدطینت لوگوں کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ اللہ تعالی تمام چیزوں سے بے نیاز وبے پرواہ ہے، وہی خالق قدرت ہے۔

متعدد اصحاب قلم اور کچھ یورپین اداروں نے اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے کہ آخر یہ طوفان اور یہ زلزلے کیوں وقوع پذیر ہوتے ہیں؟ تو یہ نتیجہ سامنے آیا کہ انسانوں کی محنت اور جدوجہد کے نتائج مثبت بھی ہوتے ہیں اور منفی بھی، یہ عذابات منفی نتائج کی شکل میں اس لیے آشکارا ہوتے ہیں کہ جرائم پیشہ افراد خواب غفلت سے بیدار ہو جائیں اور ان مشکلات کو سلجھانے کے لیے اپنی توجہ اس جانب مبذول کریں؛ لیکن یہ واقعہ ہے کہ مشکلات کا صحیح حل اس وقت تک ممکن نہیں جب تک عوام خواہشات کی غلامی کو ترک نہ کر دیں، اور اگر نفس کی پیروی چھوڑ کر اطاعت خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شعار اور نصب العین بنالیں گے، تو مصیبتوں کے یہ مہیب بادل خود ہی چھٹتے چلے جائیں گے، اس وقت دنیا جن اہم مسائل سے دوچار ہے ان میں گیہوں کا مسئلہ خاص اہمیت کا حامل ہے، اس مسئلہ کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چین نے باوجود کثرت پیداوار کے پہلی مرتبہ گیہوں کو درآمد (Export) کیا۔

اللہ تعالی نے تمام انسانیت کے لیے سامان خورد ونوش وافر مقدار میں مہیا فرمایا اور اس میں برکت رکھی؛ لیکن یہ گیہوں کے اسٹاک کیوں ختم ہو رہے ہیں، فقراء ومساکین، فاقہ کشی تنگ دستی وتنگ حالی کی زندگی کیوں بسر کر رہے ہیں، آخر ایسا کیوں؟ یہ انسانوں کے اعمال کا نتیجہ ہے کہ یہ سرمایہ کاروں، جمہوریت پسندوں، دانشوروں اور آسودہ حال انسانوں کے لیے ایک تازیانہ ہے، جنہیں فاقہ مست انسانوں کی آہ وفغاں سنائی نہیں دیتیں، مریضوں اور بیماروں کے نالہ وشیون ان کے جانب متوجہ نہیں کرتے، زمین پر رونما ہونے والے واقعات وحوادث، ظلم وجور، بے انصافی وحق تلفی، چوری وڈاکہ زنی، بدعہدی وبے وفائی جیسے گھناؤنے اور سنگین جرائم سے ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، جاپان اور کوریا میں بڑی تعداد میں آراضی کو کارخانوں اور میلوں میں تبدیل کر دیا گیا، نتیجتاً اشیائے خوردنی کی قیمتوں میں حیرت انگیز طور پر اضافہ ہوا، چین نے ۲۰۰۰ء میں ۳۷رملین ٹن گیہوں برآمد کیا، جبکہ عالمی سطح پر گیہوں کی پیداوار ۲۰۰رملین ٹن ہے، مالی بحران اور بالخصوص جنگوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لوگ ہجرت پر مجبور ہو جاتے ہیں، ایک صدی قبل انگلینڈ میں ۱۸رملین لوگ لندن میں پناہ گزینی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوگئے جو لندن کے باشندوں سے بھی کئی گنا زیادہ تھے۔

احساسات

کشمیر کی حالتِ زار پر رحم کھایئے!

حمید اللہ قاسمی کبیرنگری

ملک کے حالات دن بدن خراب سے خراب تر اور تشویشناک ہوتے جارہے ہیں، فرقہ پرست طاقتیں ہندوستان کی پرامن فضا کو مسموم اور مکدر کررہی ہیں، خاص طور سے کشمیر سے دفعہ ۳۷۰؍ کے ختم ہونے کے بعد ہی سے کشمیر کی صورت حال انتہائی خراب اور دگرگوں ہوتی جارہی ہے، ایسے میں حکومت ہند کو ایک مثبت قدم اٹھانا چاہئے جس سے کشمیریوں کی زندگی بحال ہوسکے اور انہیں چین وسکون کی زندگی حاصل ہوسکے، کئی دنوں سے کشمیر میں خون کی ہولی کھیلی جارہی ہے، وہاں کے معصوم بچوں کو مارا جارہا ہے، وہاں کی عوام کو ستایا اور زدوکوب کیا جارہا ہے، ان کے پاس کھانے کو کھانا نہیں، پینے کو پانی نہیں، اکثر لوگ بھوک اور پیاس کی وجہ سے دم توڑ رہے ہیں، ستم بالائے ستم کشمیری ماؤں اور بہنوں سے چھیڑخوانی کی جارہی ہے، ان کی عزت کو تارتار اور ان کی ذات سے کھلواڑ کیا جارہا ہے، یہ کون کرتا ہے؟ کوئی غیر نہیں بلکہ ہماری فوج کے کچھ غیر ذمہ دار فوجی اور سپاہی ہیں، انہیں معلوم ہے کہ ہمارا کوئی بگاڑنے والا نہیں ہے، خدارا ان پر رحم کھائیں کیونکہ کشمیر ہمارے ملک ہندوستان کا ایک اہم حصہ ہے، جس طرح کشمیر ہمارے ملک کا ایک حصہ ہے، اسی طرح کشمیری عوام بھی ہمارے بھائی ہیں، ان کی ہر طرح مدد اور دادرسی کرنی چاہئے، ان کی حالت زار پر رحم کھانی چاہئے، ان کی ہر آواز کو اپنی آواز سمجھنا چاہئے، ان کے درد کو اپنا درد سمجھنا چاہئے، مگر حکومت کی پالیسی ہے یا ان کی بے خبری کہ کشمیر میں قیامت صغری برپا ہے اور حکومت خاموش تماشائی بنی ہوئی ہے، ان کی بے حسی کا عالم یہ ہے کہ ایک طرف کشمیر جل رہا ہے اور انہیں احساس تک نہیں۔

الغرض موجودہ وقت میں کشمیر کے جو حالات ہیں وہ بہت نازک ہیں، ان کے اوپر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں، کشمیر اس وقت برما اور فلسطین بنا ہوا ہے، کوئی سچ بولنے کو تیار نہیں ہے، سب کی زبان پر تالا لگا ہوا ہے، وہ خطۂ کشمیر جو اپنی ہریالی اور شادابی کی بنا پر جنت کی حسین تصویر کہلاتا تھا، آج وہ فرقہ پرستوں کے نرغے میں ہے، وہاں کی سڑکوں پر کشمیریوں کا خون بہتا ہوا نظر آرہا ہے، وہاں کے راستے اور گلی کوچوں سے آہ! وبکا کی آوازیں آرہی ہیں، مگر کوئی ان کی آواز کو نہیں سن پارہا ہے، حقائق پر پردہ ڈالا جارہا ہے، بی بی سی کے نامہ نگار ریاض مسرور کے بقول اگست کے اوائل سے ہی کشمیر میں مواصلاتی نظام بدستور بند ہیں، نیز کرفیو اور سخت پابندیاں جاری ہیں، جس سے کشمیری عوام پریشانیوں کا سامنا کررہے ہیں، کشمیر کے سلسلے میں اقوام عالم بھی بے حسی کا ثبوت دے رہے ہیں، جب کہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ آج کل کشمیری عوام موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا ہیں، وہاں کے چھوٹے چھوٹے معصوم بچے کھانے پینے کے لئے ترس رہے ہیں، مزید ان پر عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے۔

حال ہی میں جن لوگوں نے کشمیر کا دورہ کیا، انہوں نے بتلایا کہ سری نگر میں جامع مسجد، نوہٹہ اور درگاہ حضرت بل اور نارمال روڈ پر سختیاں ہیں، جگہ جگہ بجلی کی تاریں بچھی ہوئی ہیں، کھلے عام

آنے جانے پر پابندیاں لگی ہوئی ہیں، ایسے میں کشمیری عوام کے لئے روزمرہ کے امور کی انجام دہی میں کتنا مشکل ہو رہا ہوگا، یہ تو بس وہی جانتے ہوں گے جن کے اوپر یہ حالات گزر رہے ہیں۔

فلسطین، برما اور سیریا کے مظلوم مسلمانوں کے لئے آواز اٹھانے والوں تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ آج خود ہی اپنے ملک خطہ کشمیر میں جو ظلم ہو رہا ہے اس سے نظریں چھپائے ہوئے ہو، کشمیریوں کو مسلسل پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ان کی زندگی اجیرن بن گئی ہے، جس کو دیکھ اور سن کر ہماری غیرت ایمانی کو سانپ سونگھ گیا ہے، گزشتہ دنوں سے واٹس آپ پر ایک نوجوان کشمیری خاتون نے رو رو کر اپنے کشمیر اور کشمیریوں کے لئے مدد مانگ رہی ہے اور یہ کہہ رہی ہے کہ خدارا ہم کشمیریوں کی مدد کیجئے ہمیں ظلم تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، ہمیں طرح طرح سے ستایا جا رہا ہے، اس خاتون کا ویڈیو آج بھی ہم سب کے موبائلوں میں گردش کر رہا ہے، آخر ہماری غیرت ایمانی کہاں کھوگئی ہے، جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ چند بہنوں کی پکار اور ان کے ایک خط پر محمد بن قاسم ہزاروں میل کی دوری سے چلا آتا ہے اور محمود غزنوی اس کی ایک پکار سن کر کہتا ہے کہ اے بہن گھبرانا مت! ابھی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام موجود ہیں، پھر دیکھتے ہی دیکھتے تھوڑے ہی وقت میں حالات کا نقشہ بدل جاتا ہے اور ظالموں کو کیفر دار تک پہنچا کر سکون کی سانس لیتا ہے، مگر ہائے افسوس کتنے دنوں سے کشمیر جل رہا ہے، ان کے اوپر ظلم ہو رہا ہے، ہر چہار جانب قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے؛ لیکن ان کی مدد کے لئے کوئی آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

اس لئے تمام باشندگان ہند سے بالعموم اور عالم اسلام سے بالخصوص یہ گزارش ہے کہ کشمیر اور کشمیریوں کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اور اپنی دعاؤں کے ساتھ ایمانی غیرت وحمیت کا ثبوت دیں، تاکہ کل قیامت میں خدا کی پکڑ سے بچ سکیں، لیکن ایسا لگتا نہیں، کیونکہ ہمارے اوپر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں اور یہ امت بیچاری سوئی ہوئی ہے، ایسے حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے اسرائیل کی سابقہ وزیراعظم مسز ''گولڈا میئر'' کی بات یاد آجاتی ہے، جنہوں نے ۱۹۶۹ء میں یہ بات کہی تھی کہ ''جب اسرائیلیوں نے مسجد اقصی میں آگ لگائی تھی تو اس رات میں سو نہ سکی، میرا خیال تھا کہ پورا عرب اسرائیل کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا اور فوج در فوج اسرائیل میں داخل ہو جائے گا؛ لیکن جب صبح ہوئی تو میں دیکھتی ہوں کہ کچھ بھی نہیں ہوا، تو مجھے احساس ہوگیا کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں کیونکہ یہ امت سو رہی ہے''۔

خدارا کشمیر کی حالت زار پر رحم کھائیے اور کشمیریوں کی مدد کیجئے، ان کا ہر طرح سے تعاون کیجئے، انہیں اپنا بھائی سمجھئے، ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کشمیر مکمل طور پر ہندوستان کا حصہ ہے اور حصہ رہے گا، مگر یہ یقین جانئے کہ کشمیر ہندوستان کا حصہ اسی وقت کہلائے گا جب کشمیری عوام کو ہم گلے لگائیں گے اور انہیں اپنا بھائی سمجھیں گے، ان کے ہر درد کو اپنا درد سمجھیں گے، تب کہیں جا کر ہم حب الوطنی اور اخوت و بھائی چارگی کے زمرے میں شامل ہوں گے، اس لئے سیاسی جماعتوں کے لئے اِس وقت یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کر کے ریاست کشمیر کے تشخص کو برقرار رکھنے میں اپنا کردار ادا کریں، اور سیاست دانوں کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جبر وتشدد کی بنیاد کسی بھی مسئلہ کو کبھی بھی حل نہیں کیا جاسکتا؛ بلکہ صرف اور صرف ماحول کو سازگار بنا کر بات چیت سے مسائل کا حل نکالا جاسکتا ہے، ساری دنیا کو معلوم ہے کہ کشمیر کے لوگ پہلے ہی سے مشکلات کا شکار ہیں، اب آرٹیکل ۳۷۰ر کے بعد سے مزید ان کی زندگی میں ہیجانی کیفیت پیدا ہوگئی ہے، اور ان کی دشواریوں میں اضافہ ہوگیا ہے، جو افسوس کے قابل ہے، اللہ تعالی کشمیریوں کا حامی وناصر ہو۔

یادرفتگاں

مولانا عبدالواجد صاحب رشیدی ندوی

نقوش وتأثرات

محمد مسعود عزیزی ندوی

مولانا عبدالواجد صاحب ندوی ایک باتوفیق عالم دین، خوش اخلاق وخوش گفتار، ملنسار، مرنجا مرنج طبیعت کے حامل، ہشاش بشاش، متبسم خوبصورت چہرے والے انسان تھے، ان کی وفات سے جہاں اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کا نقصان ہوا، ان کے شاگردوں اور گھر والوں کا خسارہ ہوا، بالکل اسی طرح ان کے چاہنے والوں کا بھی نقصان ہوا، وہ راقم کے بے انتہاء مخلص دوستوں میں سے تھے، غالبًا راقم کی ان سے پہلی ملاقات تو زامبیا میں ہوئی تھی، اس کے بعد ان سے تعلق ومحبت میں اضافہ ہوتا گیا، اور وہ راقم کا احترام بھی خوب کرتے تھے، اور اونچے کلمات ارشاد فرماتے تھے، بلکہ رمضان میں راقم کے کھانے کا انتظام زامبیا میں وہی کرتے تھے، اس لئے کہ زامبیا کا سفر کھانے پینے اور قیام کے سلسلہ میں بہت دقت آمیز اور پریشان کن ہوتا ہے، اس پریشانی کا حل اکثر وہی کرتے تھے اور زیادہ تر یہ قاری فرید صاحب کے یہاں کرتے تھے، قاری فرید صاحب گجرات کے رہنے والے ہیں، جواب زامبیا میں ہی مقیم ہیں، ماشاء اللہ بہت کشادہ دل اور علماء کی قدر کرنیوالے ایک مخلص انسان ہیں۔

مولانا عبدالواجد صاحب ندوی چونکہ تجارت بھی کرتے تھے، اور طباعت کا کام بھی، اس لئے وہ کئی سال سے ہمارے لئے ''عزیزی کاپی'' کے نام سے کاپیاں بھی چھپواتے تھے، اس سال بھی انتقال سے دو چار روز قبل انہوں نے کاپیاں بھجوائی تھیں، ہمیشہ ان کو کاپیوں کے پیسے بعد میں دیتے؛ لیکن اللہ کی مرضی اس بار کاپیاں چھاپنے سے پہلے ہی پیسے لے لئے تھے، اسی طرح سے انہوں نے ہماری ایک کتاب ''چند مایہ ناز اسلاف، قدیم وجدید'' بھی شائع کی، کئی مرتبہ ہمارے ادارے میں بھی تشریف لائے، راقم بھی اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں دو تین مرتبہ ان کی خواہش اور طلب پر گیا اور انہوں نے خوب ضیافت کی، اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے۔

مولانا عبدالواجد صاحب ایک ذی استعداد، ہونہار فاضل، بیدار مغز عالم دین تھے، وہ دوستوں سے تعلقات نبھانے کا ہنر جانتے تھے، اور سب کے ساتھ کشادہ ظرفی سے پیش آتے تھے، ان میں بعض ایسی خصوصیات تھیں جو بہت کم لوگوں میں ہوتی ہیں، ایک تو وہ تنگ نظر نہیں تھے، اہل علم اور دوستوں کا تعاون اپنا اخلاقی فریضہ سمجھتے تھے، اور کسی کے لئے کچھ لکھنے کی ضرورت پڑ جائے تو بخل سے کام نہیں لیتے تھے، بلکہ بڑے بلند کلمات فرماتے تھے، ایک دو مرتبہ راقم نے ان کو اپنے ادارہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی کے لئے جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے رئیس محترم حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب نقشبندی کے کلمات عالیہ لکھوانے کے لئے عرض کیا، تو مولانا عبدالواجد صاحب نے کشادہ ظرفی سے بہت اچھے انداز میں تحریر لکھی، اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب سے دستخط کرا کر بھیجی، جو ان کے اعلی ظرف ہونے کی واضح دلیل ہے، اللہ تعالی ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، دونوں تحریریں مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم، امابعد!

تصدیق کی جاتی ہے کہ مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفر آباد ضلع سہارنپور یوپی مقامی سطح پر اپنے علاقہ کا ایک مشہور ومعروف اور مؤقر دینی واسلامی ادارہ ہے، جس کی زمام کار ایک متحرک، فعال، باصلاحیت اور بہت سی کتب کے مصنف ومؤلف مولانا قاری ومفتی محمد مسعود عزیزی ندوی صاحب دامت برکاتہم کے ہاتھوں میں ہے، مرکز اللہ کے فضل وکرم اور اپنے بانی کے اخلاص اور ان کی لیل ونہار کی بے حد وحساب توجہات، محنتوں، کاوشوں، ان کا اللہ کی ذات پر ہمہ وقت توکل اور مخیّرین حضرات کی محبت والی نظروں کے طفیل دین ومذہب کی قابل قدر ولائق رشک ہمہ جہت خدمات جلیلہ انجام دے رہا ہے۔

بحمداللہ تعالیٰ فی الوقت مرکز میں کل طلبہ وطالبات جن پر مطبخ اپنی توجہ مرکوز کئے ہوئے رہتا ہے، ان کی تعداد ۲۰۰ رہے، حفظ وناظرہ مع تجوید، از جماعت اول، تا جماعت پنجم، طالبات کے ادارہ میں از اول تا دورۂ حدیث پاک، نیز مدارس اسلامیہ کے فضلاء کے لئے عربی وانگلش کے ڈپلومہ کورس کا بھی مکمل نظم ونسق ہے، چنانچہ تشنگان علوم الٰہی وعلوم نبوت مخلص معلّمین ومعلّمات کی نگرانی وتربیت میں اکتساب فیض کررہے ہیں، اللہ پاک اپنی بارگاہ میں بے حد قبول فرمائے۔

مرکز ایک طویل عرصہ (تقریباً سترہ سال) سے معاشرہ میں پھیلے مختلف الانواع والاقسام گنجلک وپیچیدہ مسائل کی درستگی اوران کے حل کے لئے دینی، دعوتی، علمی، ادبی، فکری، تحقیقی اور اصلاحی ترجمان ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کی اشاعت کے اہم فریضہ کومکمل پابندی کے ساتھ انجام دے رہا ہے، بندہ اور برادر اکبر جناب مولانا قاری عبیدالرحمٰن صاحب قاسمی مدظلہ العالی وادارہ کے دیگر کئی مدرسین حضرات کو مرکز میں حاضری کا شرف حاصل ہوا اور وہاں کا معائنہ بھی کیا، ماشاءاللہ ادارہ بہرنوع ترقی پذیر ہے، دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کی ہمہ جہت دینی خدمات کو شرف قبولیت بخشے اور اپنے خزانہ غیب سے اس کے جملہ اخراجات کا تکفل فرمائے اور اساتذہ ومنتظمین اور کارکنان کو مزید اخلاص کے ساتھ دین متین کی خدمت کا جذبہ نصیب فرمائے، آمین! اللہ پاک محسنین کے اجر وثواب کو ضائع نہیں فرماتے۔ والسلام

خالدسیف اللہ قاسمی نقشبندی
ناظم وشیخ الحدیث
جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، سہارنپور

(۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰه و کفی و سلام علی عباده الذین اصطفی، امابعد!

جس طرح ایک انسان اپنے مال وزر کی حفاظت اپنے لئے لازم وضروری سمجھتا ہے، اسی طرح سے مذہب اسلام میں ایمان وعقیدہ کی حفاظت ہر مؤمن کے لئے لابدی ہے، اسی ایمان وعقیدہ کی بقاودرستگی اوراس کے تقاضے کو بروئے کار لانے کیلئے ہمارے اکابر اسلاف نے مدارس اسلامیہ کی داغ بیل ڈالی ہے، اوران کے لئے سعی بلیغ فرمائی ہے، یہاں قوم وملت کے نونہالوں وجگر پاروں کو ایمان وایقان، علم وعمل، اخلاص وللّٰہیت، معرفت الٰہیہ واخلاق حسنہ کی تعلیم سے آراستہ وپیراستہ کیا جاتا ہے، نیز امن وسلامتی، خدمت خلق واخوت وبھائی چارگی، مساوات وہمدردی کا درس دیا جاتا ہے۔

اسی اہم مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمارے عزیز مکرم متحرک وفعال، ہوشمند وذی شعور، وبیدار مغز مولانا قاری مفتی محمد مسعود

عزیزی ندوی مدظلہ العالی نے کافی عرصہ قبل ''مرکز احیاء الفکر الاسلامی'' اور بنات کے اداروں کی بنیاد ڈالی تھی، جن سے تادم تحریر وافر مقدار میں امت مسلمہ کے نونہال اور طلبہ وطالبات فیض حاصل کر چکے ہیں۔

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد ضلع سہارنپور مقامی سطح پر طلبہ وطالبات کی ابتدائی وانتہائی تعلیم وتربیت کی ایک بہترین درسگاہ ہے، جس میں دین متین کی بہترین خدمات بحسن خوبی انجام دی جارہی ہیں، اللہ پاک قبول عامہ تامہ عطا فرمائے، جس میں تقریباً ۲۵۰ ر طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، جس کا سالانہ صرفہ تقریباً پچاس لاکھ پر مشتمل ہے، جو اللہ پر توکل اور مخلص معاونین اہل خیر حضرات کے ذریعہ تکمیل تک پہنچتا ہے، اللہ پاک تمام اہل خیر حضرات کے عطیات کو قبول فرمائے اور ان کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے، راقم الحروف اہل مدرسہ اور ان کے معاونین کو اس دینی خدمت کے لئے مبارکباد دیتا ہے اور دارین میں ظفریابی کے لئے دعاگو ہے، مخلصین حضرات ان کا تعاون فرمائیں، اللہ پاک بہترین بدلہ عطا فرمائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ والسلام

خالد سیف اللہ قاسمی نقشبندی

ناظم وشیخ الحدیث

جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، سہارنپور

مولانا عبدالواجد صاحب نے جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں تعلیم مکمل کر کے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں داخلہ لیا اور پھر وہاں سے فراغت حاصل کی، اور عربی واردو ادب کا ذوق حاصل کیا، جس کا اظہار ان کی تحریر وگفتگو میں جابجا ہوتا رہتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو قلم کی بھی صلاحیت سے نوازا تھا، اور ان کے مضامین صدائے حق کی زینت بنتے رہتے تھے، بعض مضامین ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفرآباد میں بھی شائع ہوئے، ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فراغت کے بعد سے وہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں مدرس بنائے گئے تھے، اس طرح انہوں نے پوری سچائی اور جہد مسلسل کے ساتھ اپنے مادرعلمی کی خدمت کی، اور وہاں کے ذمہ داران کا اعتماد حاصل کیا اور پوری وفاداری اور جانفشانی کے ساتھ اپنے فرائض اور مفوضہ امور انجام دیئے، سفر کے درمیان ان سے جب بھی ملاقات ہوتی تو ان کو مطمئن اور صابر پایا، ان کی طبیعت میں بے اطمینانی اور بے صبری کی کیفیت نہیں ہوتی تھی، بلکہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل اور اعتماد کا اظہار کرتے اور زبان سے شاکر اور صابر معلوم ہوتے تھے اور بڑے اطمینان سے اللہ تعالیٰ کا نام لیتے تھے، اور ان کے چہرے پر خوشی کے آثار ظاہر ہوتے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ ان کو اطمینان قلب حاصل ہے، ان کی زبان پر ناشکری اور شکایت کے الفاظ کبھی نہیں سنے، ہمیشہ شاکر اور اللہ کی تعریف ہی کرتے پایا، وہ اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ زندگی کے مسائل میں اور دینی خدمات کے انجام دینے میں لگے ہوئے تھے کہ فیصلہ خداوندی سے وہ ۵ر ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۷ر اگست ۲۰۱۹ء بدھ کے روز واصل بحق ہوگئے، اور ہمیشہ ہمیش کے لئے اس دنیائے فانی کو الوداع کہہ دیا، راقم اس روز یوکے کے ایک شہر بولٹن میں تھا کہ پیر صادق صاحب بیات کا فون آیا جس میں انہوں نے اطلاع دی کہ گنگوہ میں مولانا عبدالواجد صاحب کا انتقال ہوگیا ہے، اچانک یہ خبر سن کر یقین بھی نہ آیا کہ تین روز قبل ان سے بات ہوئی تھی، اس لئے تصدیق کے لئے مولانا محمد ساجد کھجناوری کو فون کیا، انہوں نے تصدیق کی، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرما کر درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

❑❑❑❑❑

تاریخ کے جھروکے

جابر بن حیان

محمد سراج الدین (بنگلور)

ابوموسی جابر بن حیان الازوی جو وسط ایشیاء میں صوفی اور جابر کے نام سے مشہور ہیں اور مغرب میں جبر کے نام سے بہت ہی مشہور ہیں، سن ۷۲۱ء میں "طس" میں پیدا ہوئے، ان کو عربی علم کیمیا یعنی موجودہ کیمسٹری کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔

جابر پہلے سائنسداں ہیں جنہوں نے تجربات کرکے علم کیمیا کو باقاعدہ سائنس کی شکل دی ہے، ان کا نام کیمیائی سائنس میں ایک تاریخی مقام رکھتا ہے، ان کے والد حیان ایک پیشہ وردوا فروش تھے اور انہوں نے کوفہ میں سکونت اختیار کی تھی اور وہ عباسی خلیفہ کے طرفدار تھے، جابر کی ایران میں ولادت کے وقت ان کے والد خلافت عباسیہ کے ایک عامل تھے، اس لئے برمکی کے اہلکاروں نے حیان کو گرفتار کرکے موت کے گھاٹ اتار دیا، اس لئے جابر کو ان کی کم عمری ہی میں سعودی عرب بھیج دیا گیا، جہاں انہوں نے ابتدائی تعلیم حاصل کی، بنوامیہ کے شہزادے خالد بن یزید بن معاویہ کیمیا دان اور مشہور و معروف امام جعفر صادق سے انہوں نے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

جابر نوجوانی میں امام جعفر صادق جو کہ علم کیمیا اور علم نجوم کے مشہور استاد تھے، ان کے ایک عقیدت مند شاگرد تھے اور کہا جاتا ہے کہ جابر نے کوفہ کے ابو ہاشم کے بنائے ہوئے صوفی اسکول سے بعد میں جڑ گئے، اپنی اوائل عمر میں جابر نے حکیم (ڈاکٹر) کا پیشہ اختیار کیا، اور ساتھ ہی ساتھ انہوں نے برمکی خاندان سے جو کہ بہت ہی طاقتور وزراء کو خلیفہ ہارون رشید کی حکومت میں داخل کرنے کا ذمہ دار تھا ان سے ربط بڑھالیا۔

جابر ایک ہمہ گیر جینس اور ایک اعلی منصف تھے، انہوں نے سو سے زائد کتابیں تصنیف کی ہیں، اس میں ۲۲ر کتابیں علم کیمیا وغیرہ پر اب بھی دستیاب ہیں، علم کیمیا، علم طب، علم نجوم، جادوگری اور فلسفہ وغیرہ پر کئی مقالے ان کے نام کے ساتھ پائے گئے ہیں، جابر نے اپنی کتابوں کی ایک فہرست بنائی تھی، جس کو "الندیم" نے اپنی کتاب "الفہرست" جو دسویں صدی کی اسلامی انسائیکلو پیڈیا کہلاتی ہے، اس میں ہو بہو نقل کی ہے، ان کی تصنیفات مسودوں کی صورت میں یا مقامی کتبوں کی شکل میں یورپ اور ایشیاء کی لائبریریوں میں پائی جاتی ہیں، انہوں نے کیمیائی تجربوں کو آغاز کرکے حقیقی معنوں میں جدید کیمسٹری کی بنیاد رکھی اور اس کو ترقی کا موجب بنے۔

جابر بن حیان نے تحلیل، تقطیر، تبخیر، کشید، تبلیر، تکلیس اور تصعید جیسے عملوں کو فروغ دیا، ان میں سے بعض تجرباتی اعمال مثلاً کیا لنیش، آکسیڈیشن Oxidation اور ڈیک پوزیشن وغیرہ خود ان کی دریافتیں ہیں، یہ تمام کیمیائی عمل عہد وسطی سے لیکر آج تک استعمال ہوتے آرہے ہیں، جابر نے کئی کیمیائی مادوں کو تیار کرنے کے طریقے بتلائے ہیں، جیسے سنابر Cinnaber یعنی سلفائیڈ آف مرکیوری، سفیدہ، لیڈ کاربونیٹ LeadCarbonate سنکھیا، آرسنس آکسائیڈ وغیرہ وغیرہ۔

جابر کا سب سے اہم کارنامہ تین معدنی تیزابوں کی دریافت ہے جس کو انہوں نے قرع انبیق کی مدد سے تیار کیا، وہ تین تیزاب ہیں:

(۱) شورے کا تیزاب۔ (۲) گندھک کا تیزاب۔

(۳) ان دونوں تیزابوں کا ایک آمیزہ جو کوار جیا یعنی ماء الملوک کہلاتا ہے، جس میں سونا اور چاندی پگھلائے جاتے ہیں۔

''عملی میدان میں جابر نے تبخیر، تقطیر، تصعید، پگھلاؤ کشید اور تبلیر اعمال کے بہتر طریقے بتلائے، انہوں نے کئی کیمیائی اشیاء مثلاً: سنابر (سلفائیڈ آف مرکیوری) آرسینس کسائیڈ وغیرہ کی تیاری کے طریقے بتلائے، وہ جانتے تھے کہ خالص توتیا، پھٹکری، القلی، سالٹ ایمونیا اور شورہ کیسے تیار کئے جاتے ہیں، انہوں نے خالص مرکیوری آکسائیڈ اور پارے اور دوسرے دھاتوں کے آسٹیٹس تیار کئے، جو بعض اوقات قلموں کی شکل میں پائے جاتے تھے وہ سلفیورک اور نائٹرک اسیڈ کے خام تیزاب جانتے تھے وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ان دو تیزابوں کو ملانے سے ''ماء الملوک''، یعنی اکواریجیا بنتا ہے، جس میں سونا چاندی پگھلائے جاتے ہیں''۔

کئی تکنیکی الفاظ جابر کی عربی تصنیفات سے لاطینی زبان سے ہوتے ہوئے یوروپی زبانوں میں داخل ہوئے ہیں، مثلاً آرسنک کا سرخ سلفائیڈ توتیا (القلی) اِثمد (قرع انبیق) یعنی کشید کا برتن، اور ایک نیا کیمیائی مادہ جسے یونانی نہیں جانتے تھے، جابر کی تصنیفات میں (سال ایمونیک) کے نام سے پایا جاتا ہے۔

جابر کی علم کیمیا میں قابلیت کا صحیح اندازہ اس وقت لگایا جاسکتا ہے جب کہ اس کی کیمیا پر لکھی ہوئی کتابیں خصوصاً اس کی ایک اعلیٰ تنصیف (ستر عدد کی کتاب) منظر عام پر آجائے، یہ کتاب جس میں ۷۰/ مقالات ہیں، بہت ہی معمولی اور غیر مکمل طور پر لکھی ہوئی لاطینی زبان میں پائی گئی ہے۔

میکس میرہاف اپنے مقالہ سائنس اور میڈیسن میں لکھتے ہیں کہ ''راقم مضمون کی یہ خوش نصیبی ہے کہ عربی میں لکھی ہوئی اصل کتاب'' بک آف سیونٹی'' کو انہوں نے حال ہی میں دیکھا ہے۔

کیمسٹری پر لکھی ہوئی کتابیں جس کے ساتھ جابر کا نام جڑا ہوا ہے وہ لاطینی زبان میں پائی گئی ہیں، اولین کتاب ''دی بک آف دی کمپوزیشن آف الکمی'' کو ایک انگریز رابرٹ آف چسٹر نے ۱۱۴۴ء/ میں لاطینی زبان میں ترجمہ کیا ہے، ایک کتاب (سن آف پرفکشن) جابر کی طرف منسوب کی گئی ہے، اس کو منسوب کرنے والا ایک انگریز مترجم رچرڈ رسل ہے جو جابر کو بہت ہی مشہور عربی شہزادہ اور فلسفی کہتا ہے، جارج سارٹن لکھتے ہیں کہ جابر اپنی کتابوں میں فولاد سازی، دھاتوں کی صفائی کپڑوں اور چمڑوں کی رنگائی واٹر پروف کپڑوں رنگائی، لوہے کو محفوظ رکھنے کے لئے رنگائی، شیشہ کی تیاری میں میگنیز ڈائی آکسائیڈ کا استعمال، سونے کی لکھائی میں آئرن پائرٹ کا استعمال سرکہ کی عمل کشید وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں۔

جابر کے بعد فلسفی یعقوب کندی نے اپنے تصنیفات میں علم کیمیا پر بیش قیمت معلومات فراہم کی ہیں اور اطباء میں سب سے بڑے کیمیاداں ابوبکر رازی نے کیمیائی عملوں کو اپنے تصنیفات میں بیان کیا ہے، اسی لئے یورپ اور امریکہ کے بعض غیر متعصب اہل قلم نے عربوں کی کیمیا گری کی ستائش کی ہے، ہسٹری آف کانفلکٹ بٹورین ریلیجن اینڈ سائنس یعنی معرکہ مذہب وسائنس میں ڈریپر کہتے ہیں کہ تجرباتی علوم میں انہوں نے (یعنی عربوں) نے کیمسٹری کو جنم دیا، انہوں نے اس کی کچھ اہم اشیاء جیسے سیلفورک ایسیڈ، نائٹرک ایسیڈ الکحل وغیرہ وغیرہ دریافت کیں۔

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں مسلمانوں کی علم کیمیا کی خدمت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

''کیمسٹری کے میدان میں مسلمانوں کی علمی قابلیت کے سبب کئی مرکبات جیسے پوٹاش، نائٹریٹ آف سلور، نائٹرک ایسڈ اور مرکیوری کلورائیڈ دریافت ہوئے ہیں''۔

وِل دوران (Will Durant) نے اپنی تصنیف ''دی اتیج

آ ف فیتھ‘‘ میں مسلمانوں کی تحقیقی اور دریافتوں کے متعلق رقمطراز ہیں: ’’کیمسٹری کو سائنس کی صورت میں مسلمانوں نے ہی پیدا کیا ہے، انہوں نے الانبق ایجاد کیا اور یہ نام انہیں کا دیا ہوا ہے، انہوں نے بے شمار اشیاء کے کیمیائی تجزیئے کئے، قیمتی پتھروں کو تراشنے کے طریقے بتلائے، کھارا اور تیزاب میں فرق کیا اور ان پر مطالعہ کر کے سینکڑوں دوائیاں تیار کیں‘‘۔

یورپ کے بعض متعصب علماء کسی بھی چیز کی ایجاد کو کسی یوروپی سائنسداں کے نام کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں، کیمسٹری کے بارے میں بعضوں کا کہنا ہے کہ اس کے موجد فرانسیسی سائنسدان لوائی زیر ہے؛ لیکن بعض انصاف پسند یوروپی مصنّفین جیسے ڈریپر، ول دوران، میر ہاف وغیرہ نے جیسا کہ اوپر لکھا جاچکا ہے، عربوں کو کیمسٹری کا موجد مانتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ لوائی زیر نے اپنی طرف سے کوئی نئی چیز پیش نہیں کی ہے، اس نے دوسروں کی ایجادوں ودریافتوں پر شرح لکھی ہے، گستاولی بان لکھتے ہیں ’’کیمیا کی کتابوں میں جب یہ لکھا جاتا ہے کہ اس علم کا موجد لوائی زیر ہے تو یاد رکھنا چاہئے کہ علم کیمیا یا دوسرے علوم دفعتہً ایجاد نہیں ہوئے، بلکہ تقریباً ہزار برس پہلے عربوں میں اس قسم کے علمی تجربہ خانے موجود تھے جن سے وہ انکشافات اور ایجادیں شائع ہوئی تھیں، جن کے بغیر لوائی زیر کچھ نہ کرسکتا تھا، پس یوروپی مصنّفین جیسے ڈریپر، ول دوران، میر ہاف، گستاولی بان کے بیانات سے یہ بات پائے ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ لوائی زیر اٹھارویں صدی کا سائنسدان کیمسٹری کا موجد نہیں ہے، بلکہ آٹھویں صدی کے سائنسدان جابر بن حیان کیمسٹری کے موجد ہیں۔

جارج سارٹن اپنی کتاب ’’انٹروڈکشن ٹووی ہسٹری آف سائنس‘‘ اور ڈاکٹر غلام قادر لون اپنی کتاب ’’قرون وسطی کے مسلمانوں کے سائنسی کارنامے‘‘ میں جابر بن حیان کی دوسری ایجادوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ جابر نے ایسا کاغذ ایجادت کیا جسے آگ نہیں جلا سکتی تھی، لوہے کی زنگ سے ایسی روشنائی تیار کی جس سے لکھے گئے شاہی فرامین رات کی تاریکی میں پڑھے جاسکتے تھے، ایسے وارنش تیار کئے جس سے کپڑا بھیگنے سے، لکڑی جلنے سے اور لوہا زنگ لگنے سے محفوظ رہ سکتا تھا، ایک ایسا پتھر ایجاد کیا جس سے زخموں کو خشک کرنے اور فاسد عضلات کو داغنے کا کام لیا جاتا تھا۔

۱۹۱۳ء میں جابر کے نو چھوٹی تصنیفات کا ترجمہ شائع کیا گیا جس میں گریٹ بک آف پراپرٹیس، ترکی بکس آف دی یلمنٹس آف فونڈیشن اور بک آف پائزن بہت ہی مشہور ہیں، اسی بنا پر جابر کی بہت سی تصنیفات کیمیا دانوں کی ٹکسٹ بکس کے طور پر اٹھارویں صدی تک استعمال ہوتی رہی ہیں۔

کیمسٹری کے سائنس پر جابر کے اثرات کا اعتراف آج بھی تمام علم کیمیا کے سائنسدان کرتے ہیں، جابر یوروپی اور لاطینی زبان میں جبر کے نام سے جانے جاتے ہیں، وہ اوّلین مسلم سائنسدان ہیں، جنہوں نے علم کیمیاء یعنی کیمسٹری کے موجد ہیں، اسی لئے انہیں کیمسٹری کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔

جابر کی وفات ۸۰۳ء میں ہوئی، بعضوں کا کہنا ہے کہ ان کی وفات ۸۱۳ء میں ہوئی، وفات کے تقریباً دوصدیوں بعد جابر کی مشہور ومعروف کیمیائی لیبارٹیری کوفہ کے دمشقی گیٹ کے قریب ویران حالات میں دریافت ہوئی ہے، جس میں سونے کا ایک بڑا ٹکڑا لیبارٹیری کے قریب پڑا ہوا دستیاب ہوا ہے، جو جابر بن حیان کی یاد دلاتا ہے، ہمارے نوجوان طلباء طالبات ڈاکٹر اور انجینئر کی اب یہ ذمہ داری ہے کہ پیرس اور برلن یونیورسٹیوں اور میوزیم میں پڑی ہوئی ہمارے اسلاف کی لکھی ہوئی کتابیں اور مسودوں کو جو عربی لاطینی فرنچ زبانوں میں ہیں پڑھیں، ترجمہ کریں اور ہمارے اسلاف کا نام روشن کریں۔ ❁❁

نقوش رفتگاں

کچھ ایسے ہیں جو مر کر بولتے ہیں

مولانا کبیر الدین فاران مظاہری ناظم مدرسہ قادریہ مسروالا ہماچل

دنیائے فانی کی کوکھ نے ان گنت سپوتوں اور نامور ہستیوں کو جنم دیا اور لاکھوں کو مٹی نے اپنے میں سمولیا دنیا نے کتنوں کو یاد رکھا اس کی یاد داشت میں گنے چنے ہی لوگ ہیں جو اپنے عظیم کارناموں کے بل پر یاد کئے جانے کے لائق رہے ہیں، انہیں نابغہ روزگار ہستیوں میں قطب الاقطاب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے اکلوتے فرزند و سچے جانشین پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلویؒ کی شخصیت بابرکت بھی ہے جن کا طویل علالت کے بعد میرٹھ کے آنند ہسپتال میں ۱۰/ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲/اگست ۲۰۱۹ء بروز پیر کو انتقال ہوگیا اور اسی شب شاہ کمال قبرستان سہارنپور نے اپنے سینے میں سمولیا، نماز جنازہ حضرت مولانا محمد ارشد صاحب مدنی نے پڑھائی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کڑے سفر کا تھا مسافر تھکا ہے ایسا کہ سو گیا ہے
خود اپنی آنکھیں تو بند کرلیں ہر آنکھ لیکن بھگو گیا ہے

تصوف جو کہ دین اسلام اور شریعت محمدیہ کی روح اور اس کا جوہر ہے جس طرح جسم کی بقاء کیلئے روح کی ضرورت ٹھیک اسی طرح شریعت محمدیہ کی بقا اور دین اسلام کے تحفظ کیلئے تصوف کی ضرورت ہے جس طرح ہر زمانہ اور ہر دور میں عقائد اسلام کی تصحیح و تعلیم دین کے مختلف اعمال عبادات، معاملات، حلال وحرام کی تمیز کیلئے حق گو متکلمین اور بے باک علماء اور نڈر فقہاء کی ضرورت رہی ہے، اسی طرح ہر زمانہ میں اخلاص واحسان اور ارشاد و سلوک سے لوگوں کو واقف کرانے اور اللہ کے بندوں میں اللہ کا ڈر اور اللہ کی سچی محبت پیدا کرنے کیلئے اصحاب تصوف کی ضرورت رہی ہے، انہیں حاملین تصوف کی ایک اہم کڑی، ایک اہم سلسلہ اور اولیاء اللہ کے موتیوں کی لڑی کا ایک خوبصورت دانا حضرت پیر صاحبؒ کی شکل میں گر گیا۔

حضرت پیر صاحبؒ کا دنیا ومافیہا سے قطعی کوئی رشتہ نہ تھا وہ یاد خداوندی میں ہر آن مستغرق رہتے اور آنے جانے والوں کو اخلاص وللہیت کا جام شیریں تقسیم فرماتے، حضرت پیر صاحب کو ان گنت اوصاف سے اللہ نے متصف فرمایا تھا، اتباع سنت اور حق گوئی ان کی خاص صفت تھی، ان کے ایک مرید مدرسہ قادریہ مسروالا کے مدرس تھے، ان کی سالانہ ترقی غیر حاضر ہونے کی وجہ سے ختم ہوگئی، اس کی وجہ سے انہوں نے مدرسہ چھوڑ دیا کچھ دنوں کے بعد حضرت پیر صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا تو وہ مجھ پر برافروختہ ہوگئے، کئی بار حاضری پر بھی وہ میری طرف متوجہ نہیں ہوئے، بندہ نے اس کا اظہار مرشد گرامی حضرت شیخ مولانا محمد یونس صاحبؒ سے کیا، حسن اتفاق کہ تھوڑی دیر کے بعد حضرت پیر صاحبؒ ان کے حجرے میں تشریف لائے تو مسکرا کر فرمایا بھائی طلحہ تم سے لڑائی ہوجائے گی، کبیر الدین سے خفا ہونے کی جو وجہ ہے وہ غلط ہے، اس سے بھی معلوم کرلو، چنانچہ بندہ نے اس استاذ سے متعلق رجسٹر حاضری پیش کیا جس میں ان کی ہفتوں کی غیر حاضری درج تھی، جسے دیکھ وہ متحیر ہوئے، غلط فہمی دور ہوگئی اور وہ

پہلے کی طرح شفقت فرمانے لگے۔

مدرسہ قادریہ مسروالا کو یہ شرف بھی حاصل رہا کہ وہ دوبار یہاں تشریف لائے، پہلی بار مفسر قرآن حضرت مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلویؒ کی مبارک معیت میں اور دوسری بار حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ وحضرت مولانا ملک عبدالحفیظ مکیؒ اور حضرت الحاج صغیر احمد صاحب لاہوری مدظلہ کے ہمراہ، اس وقت آپ نے مدرسہ قادریہ کی مسجد مفتی عبدالعزیز کی بنیاد رکھی اور رجسٹر معائنہ میں رقم طراز ہوئے:

''خدائے بزرگ و برتر اس ادارہ کو مرکز علم اور تربیت نفوس کے لئے خانقاہ اور رشد و ہدایت کا منبع وچشمہ بنائے''۔

حضرت پیر صاحبؒ عجز وانکساری کے ساتھ لوگوں سے پیش آتے، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی تلقین فرماتے، بطور خاص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمایاں اور مبارک سنت ''داڑھی'' آنیوالے خواہ کوئی بھی ہو اگر ان کے چہرہ پر داڑھی نہ ہوتی تو عشق نبویؐ میں وہ برافروختہ ہوجاتے اور سخت سرزنش فرماتے اور کبھی بھی طمانچہ بھی رسید فرمادیتے اور چلتے وقت ''داڑھی کا وجوب'' نامی رسالہ جو داڑھی کے وجوب پر دلائل سے پر ہے، بطور ہدیہ پیش فرماتے۔

حضرت پیر صاحبؒ ایک مخلص وملنسار، وجیہ وباوقار اور بارعب انسان تھے، آپ کی گفتگو پرلطف اور پرمغز ہوتی، وہ اپنی خداداد قابلیت وصلاحیت سے مخاطب کو فوراً تاڑ لیتے اور پھر اس کے مزاج ومذاق کا خیال رکھتے ہوئے باوقار انداز میں گفتگو فرماتے، آپؒ اپنے سے چھوٹا ہو یا بڑا ہر ایک کی بات بہت وقار اور سنجیدگی سے سنتے پھر بہت ہی نرالے اسلوب میں جواب دیتے، اگر کہیں قابل اصلاح چیز ہوتی تو بغیر کسی خوف وخطر اور رورعایت کے اچھوتے انداز میں اس کی اصلاح فرماتے، آپ درویش صفت اور دوراندیش انسان تھے آپؒ ہمیشہ اختلافی باتوں سے اپنے کو دور رکھتے اور جوان سے دور رہتے انہیں بھی قریب کرنے کا وہ سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ خود سلام میں پہل فرماتے اور خیر و خیریت دریافت فرماتے۔

مہمان نوازی اور دادرسی ان کو اپنے والد محترم قدس سرہٗ سے وراثت میں ملی تھی، کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ ان سے ملنے والے کھانا کھائے بغیر رخصت ہوئے، وہ مہمان کے مزاج کے مطابق کھانے کا اہتمام کرواتے تھے۔

تبلیغی جماعت سے ان کو خاص مناسبت تھی، نصائح میں تبلیغی جماعت کی قدرومنزلت، وقت لگانے اور اس کی اہمیت اور ضرورت پر بسیط گفتگو فرماتے۔

حضرات علماء میں سے جب کسی سے ملاقات ہوتی تو وہ بڑی بڑی عمارتوں کے بجائے گاؤں گاؤں قیام مکاتب کی ضرورت اور افادیت پر متوجہ فرماتے انہوں نے اپنے ایک مراسلاتی مضمون میں ملک کے نامور ہستیوں اور مرکزی اداروں کو بھی قیام مکاتب کا اپنے ادارہ میں شعبہ کھولنے کا مشورہ دیتے اور قیام مکاتب کیلئے مخصوص رقم مختص کرنے کی تلقین فرماتے۔

حضرت پیر صاحبؒ کی ممتاز اور نمایاں خصوصیت ہمہ وقت ذکر کی تھی اور یہ فکر ان کی عادت ثانیہ بن چکی تھی جب کبھی خالی وقت ہوتا آپ ذکر میں مصروف ہوجاتے۔

اللہ! اللہ! ہے تو یار و جان ہے
ورنہ یار و جان بھی بے جان ہے

ذکر کے متعلق ایک مرتبہ ختم بخاری شریف کے موقع پر ڈنکہ کی چوٹ پر فرمایا تھا کہ میں نے رائیوینڈ خط لکھ دیا اور مرکز نظام الدین میں بھی کہہ دیا کہ کل قیامت کے دن حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سوال کریں گے کہ تم لوگوں نے میرے کام میں تحریف کیوں کی جواب سوچ رکھئے (چھ باتوں میں ذکر فکر بھی شامل ہے)۔

بندہ کو ان کی مبارک معیت میں جن کے ہمراہ محدث عصر حضرت مولانا محمد یونس صاحبؒ بھی تھے مرکز نظام الدین دہلی حاضری کا موقع ملا، اسی طرح وہ ایک بار مدرسہ قادریہ مسروالا حضرت مولانا محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم ناظم مدرسہ مظاہر علوم کے ہمراہ تشریف لا رہے تھے، میں نے دیکھا کہ وہ گاڑی میں بیٹھے ذکر جہری میں مصروف تھے، انہیں جن دنیوی اداؤں سے نفرت تھی ان میں تصویر کشی بھی تھی وہ کبھی اپنی تصویر نہیں کھینچنے دیتے اور اس کی حرمت پر وہ جمے ہوئے تھے، وہ ایک قدامت پسند اکابرین کی ذہنیت کی سچی تصویر تھے جس میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیں اور سلف وخلف کا طرز پنہاں تھا اس لئے وہ ہر اس طریقہ سے پرہیز کرتے جو ہمارے اسلاف کو ناپسند تھا۔

ایک بار جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام دہلی میں اجلاس ہو رہا تھا جس میں وزیر اعظم جناب منموہن سنگھ صاحب بھی بطور مہمان خصوصی تشریف لائے جہاں تصویر کشی بھی ہو رہی تھی، آپ کی کرسی منموہن سنگھ کے ساتھ تھی اور آپ اجلاس کے ختم تک اپنی پیٹھ عوام کی طرف کئے ہوئے تھے تا کہ آپ کا چہرہ کیمرہ کے سامنے نہ آ سکے، اسی طرح کمپیوٹر سے بھی ان کو بڑی نفرت تھی، جب اس کی شروعات ہوئی تو کمپیوٹر کا نام آپ نے ٹیلیویزن رکھا تھا، قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید کے بمصداق آج کمپیوٹر نے اپنی فحش اور عریاں اور غیر شرعی تصاویر کے اظہار میں ٹیلی ویزن کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے، آپ کسی مجلس، دفتر اور کمرے میں اس وقت تک نہیں بیٹھتے جب تک کہ کمپیوٹر پر پردہ نہ ڈال دیا گیا ہو۔

آپ کے مرید خاص سورت گجرات میں ایک کمپنی کے افتتاح پر جہاں دفتری امور کیلئے کمپیوٹر لگا تھا جب تک کہ اس پر پردہ نہ ڈال دیا گیا آپ تشریف نہیں لے گئے، وہ مدارس اسلامیہ میں اپنے اکابر کے طرز پر عصری علوم پڑھائے جانے کے شدید مخالف تھے، چند سالوں سے انہوں نے ان مدرسوں میں تشریف لانا چھوڑ دیا تھا جہاں ہندی اور انگریزی داخلہ نصاب تھی، سچ ہے کہ مدرسوں میں پرائمری کے علاوہ اگر کورس میں عصری نصاب شامل کر دیا جائے تو مدرسہ کی کیفیت نہ ملا بنے نہ مسٹر کا مترادف ہو جاتا ہے، یہ ایک طویل بحث ہے جس کا ذکر یہاں مناسب نہیں۔

واقعہ ہے کہ پیر صاحبؒ کی حیثیت کچھ ایسی تھی کہ کچھ لوگ مرتے ہیں تو ایک آنکھ بھی ان پر رونے والی نہیں ہوتی؛ لیکن کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اِدھر سے اُدھر تک کی فضا میں ملال واندوہ کا غبار بکھرتا چلا جاتا ہے اور کوئی گن نہیں سکتا کہ کتنی آنکھیں اشکوں سے شرابور ہو جاتی ہیں۔

جس وقت دنیا کو ایسے عالم روحانی مخلص اور مردم ساز شخصیت کی سب سے زیادہ ضرورت تھی ایسی ہستی کا امت کے بیچ سے اٹھ جانا ایک ایسے ستون کا گر جانا ہے جو ملت اسلامیہ کی گری دیوار کا سہارا بنا ہوا تھا، جو ایک خاص دور کی آخری یادگار تھے جس سے اللہ نے ہمیں ہمیشہ کیلئے محروم کر دیا، یا اسفیٰ۔

حضرت پیر صاحبؒ نے اپنی حیات مبارکہ میں بقیۃ السلف حضرت مولانا سید محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور جو بحمد اللہ ہمہ نوع صفات سے متصف، علمی، روحانی اور تربیتی مجسم ہیں ان مقتدر شخصیت کو اپنا جانشین طے فرمایا، اللہ ان کے عمر میں عافیت وبرکت اور جملہ مکارہ سے حفاظت اور ہمیں استفادہ کی توفیق وافر نصیب فرمائے اور حضرت پیر صاحب کے سینکڑوں مریدین اور متوسلین بقید حیات ہیں ان سے روحانی رشتہ استوار کرنے کی بھی ہمیں توفیق نصیب ہو۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ جب ہم کسی صاحب فکر وکمال سے محروم ہو جاتے ہیں جن کے برگ وبار کا سایہ سر پر رہنا از بس کہ ضروری تھا اور جب وہ لحد میں سو جاتے ہیں تو ہم سر نوچتے ہیں اور نوحہ خوانی

کرتے ہوئے کہتے ہیں، مشعلیں گل ہوتی جارہی ہیں، راستہ گم ہوگیا، منزلیں اوجھل ہوگئیں، رہبر ہمیشہ کیلئے سو گئے، تارے ٹوٹ رہے ہیں، ظلمت کی تہیں اور دبیز ہوتی جارہی ہیں، اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی، جیسے کلمات حسرت ویاس محفلوں میں بکھیرتے اور اخباروں کی سرخی بناتے ہیں، اے کاش! جو لوگ اوروں کی طرح حضرت پیر صاحبؒ کی محبت کے دعوے دار ہیں انہیں اب ماتم و سیون اور قصیدہ سرائی سے جلد فراغت حاصل کر لینی چاہئے اور عقیدت کا حقیقی تقاضہ ہے کہ جس جہد مسلسل کو حضرت مولانائے مرحومؒ نے اپنایا تھا ہمیں بھی اسی کو حرز جاں بنالینا چاہئے۔

"کھاؤں کہاں کی چوٹ بچاؤں کہاں کی چوٹ" کہ مُردوں سے مُرادیں اور زندوں سے بے رغبتی کا یہ شیوہ اب ختم کردینا چاہئے، مرحوم کا حق تو یہ ہے کہ فراموش کردہ واقعات کو زندگی عطا کر باحیات اکابرین ملت، روحانی اور علمی شخصیات کا تذکرہ محفل ومجالس، منبر ومحراب اور رسل ورسائل میں کریں تاکہ دنیا ان کی علمی وروحانی اور بابرکت صحبت وقربت سے کشکول مراد کو پر کرسکے، اس لئے جینے والوں کی بھی قدر کیجئے مرنے والا اپنی تعریف نہیں سنتا: ؎

کچھ اپنی زندگی میں مرچکے ہیں
کچھ ایسے ہیں جو مر کر بولتے ہیں

کچھ دنوں قبل ان کی اہلیہ محترمہ کا وصال ہوگیا تھا، ایک وفادار نیک صالح رفیق حیات اور ان کے مشن بطور خاص حضرت کے مہمانوں کی خاطر داری کیلئے فرش راہ بنی ہوئی بیوی کی جدائی کی وجہ سے ان پر حزن والم کی کیفیت طاری رہتی تھی اور وہ اسی حال میں مالک حقیقی سے جاملے، اللہ ان کی قبروں پر کھربوں رحمتوں کی سدا بارش برساتا رہے: ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مولانا قاری مفتی محمد مسعود عزیزی ندوی کی
اہم تصانیف

۱- مختصر تجوید القرآن (بروایت حفص اردو)
۲- بچوں کی تمرین التجوید (تجوید کے قواعد، مشق اور طریقہ تدریس اردو)
۳- جیب کی تجوید (تجوید کے ضروری قواعد کا پاکٹ سائز مجموعہ)
۴- ریاض البیان فی تجوید القرآن (بروایت حفص عربی)
۵- رہنمائے سلوک وطریقت ۶- مراجع الفقہ الحنفی ومیزاتہا
۷- الامامۃ فی الصلاۃ ومسائلہا واحکامہا ۸- التدخین بین الشرع والطب
۹- حیات عبدالرشید ۲۰۰/روپئے ۱۰- سیرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ
۱۱- تذکرہ مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ ۱۲- تذکرہ علامہ سید سلیمان ندویؒ
۱۳- تذکرہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
۱۴- تذکرہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ۱۵- چند مایہ ناز اسلاف قدیم وجدید
۱۶- مقالات ومشاہدات ۱۷- مکتوبات اکابر
۱۸- چندہ دینے، دلوانے اور لینے کے آداب واصول
۱۹- افکار دل (۳۰/تقریروں کا مجموعہ) ۲۰- مدارس کا نظام تحلیل وتجزیہ
۲۱- تذکرہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ
۲۲- سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳- لڑکیوں کی اصلاح وتربیت
۲۴- ملفوظات حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ
۲۵- میری والدہ مرحومہ (نقوش وتأثرات)
۲۶- قادیانیت نبوت محمدیؐ کے خلاف بغاوت
۲۷- تذکرہ حضرت حافظ عبدالرشید رائے پوری
۲۸- نقوش حیات حضرت مولانا عبدالرحیم متالا ۲۹- تصوف اور اکابر دیوبند
۳۰- امامت کے احکام ومسائل ۳۱- اللہ ورسول کی محبت
۳۲- فقہ حنفی کے مراجع اور ان کی خصوصیات ۳۳- عقائد اور ارکان اسلام
۳۴- ماں باپ اور اولاد کے حقوق ۳۵- میرے شیخ ومرشد مفکر اسلام
۳۶- القادیانیة ثورة علی النبوة المحمدیة ۳۷- سیرة النبی الأکرم
۳۸- درد دل ۳۹- ساز دل ۴۰- حیات شیخ الحدیث
۴۱- تذکرہ حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب رائپوری ۴۲- بزرگان رائے پور
۴۳- Rules of Raising Funds ۴۴- Beliefs and Pillars of Islam
۴۵- The Laws Pertaining to Imamat
۴۶- The Rights of Perents and children
۴۷- Guidelines for Sulook and Tareeqat
۴۸- Tasawwuf and tha Elders of Deoband
۴۹- Life Sketch of Hadhrat Thanwi
۵۰- A Biogrophy of the Noblest Nabi
۵۱- My Sheikh and Spiritual Guide
۵۲- Importance of Hijab in Islam

ملنے کا پتہ

مرکز احیاء الفکر الاسلامی مظفرآباد، سہارنپور (یوپی)
Mob: 09719831058 - 09719639955

عادات واخلاق

حضرت مفتی نسیم احمد فریدی امروہوی قدس سرہ
کے اخلاق و عادات کی چند جھلکیاں

فخر الاسلام امروہوی

مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی قدس سرہ سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد امروہہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ان کے بارے میں رقمطراز ہیں: ''مولانا نسیم احمد صاحب فریدی کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا علمی ذوق اور علم میں ان کی فنائیت ہے، علم سے ان کو وہی تعلق تھا جو مچھلی کو پانی سے ہوتا ہے، علمی اشتغال رکھنے والے، تصنیف وتالیف کرنے والے بہت مل جائیں گے؛ لیکن ایسے لوگ جو علم میں فنا ہوں، علم جن کا ذوق نہیں بلکہ ذائقہ بن چکا ہو، علم ہی ان کے لئے غذا، دوا، شفاء سب کچھ ہو، وہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی تھے''، ذیل میں حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدی کے اخلاق وعادات اور سیرت کی چند جھلکیاں پیش کی جارہی ہیں۔

دل آزادی سے پرہیز:

شرک کے بعد حضرت کے نزدیک دل آزاری سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں تھا، ایسے مواقع پر کہ جب کسی کو ایسا کوئی کام یا بات کرتے سنتے تو آپ کی زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا تھا: ؎

دکھائے دل جو کسی کا وہ آدمی کیا ہے؟
کسی کے کام نہ آئے وہ زندگی کیا ہے؟

راہ اعتدال:

حدود شرع کی مخالفت دیکھ کر بغرض اصلاح، دل شکنی بھی آپ کا ایک نمایاں رنگ تھا، ہر جوڑ توڑ میں، ہر دل داری ودل شکنی میں اعتدال سُنّیت پیش نظر رہتا تھا، آگ پانی کا یہ سنگم ہمارے اکابر کی زندگیوں میں قدم قدم پر دیکھنے کو ملتا ہے: ؎

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن

جہاں توڑ کر جوڑنا ہو، جہاں ناسور چیر کر مرہم رکھنا ہو، جہاں رلا کر ہنسانا ہو، ایسی دل آزاریوں پر ہزاروں دلداریاں قربان۔

سادگی اور بے تکلفی:

سادگی اور بے تکلفی تو گویا آپ کی ذات کا دوسرا نام ہی تھا، ایک دن ایک سیمینار میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے جا رہے تھے، عرض کیا گیا: ''حضرت کپڑے بدل لیجئے'' فرمایا: ''کیا میلے ہیں؟ (حضرت کثرت مطالعہ سے ۱۹۷۳ء میں بینائی سے معذور ہو گئے تھے) ہم خدّام میں سے کسی نے عرض کیا: ''حضرت پاجامہ میلا ہے'' فرمایا: ''لاؤ پائجامہ بدل لوں'' عرض کیا گیا: حضرت بے میل ہو جائے گا، دونوں ہی کپڑے بدل لیں'' مگر حضرت نے صرف پاجامہ ہی بدلا اور فرمایا: ''اس سے کیا ہوتا ہے، لوگ وہاں مجھے دیکھیں گے یا میرے کپڑوں کو اور جو لوگ کپڑوں کو دیکھتے ہیں وہ آدمی کو نہیں دیکھ سکتے'' ایک اور موقع پر کسی نے عرض کیا: '' حضرت کپڑے بدل لیں گندے ہو گئے'' فرمایا: گندے ہو گئے یا میلے ہو گئے، گندے تو ناپاک کو کہتے ہیں جن سے نماز ہی نہیں ہوتی''، میں نے عرض کیا: ''نہیں حضرت جی پاک ہیں مگر میلے ہیں''۔

عشق رسول صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

ایک حاجی صاحب نے ہدیۃً ایک کپڑا آپ کو پیش کرتے ہوئے کہا: ''حضرت مدینے سے لایا ہوں'' حضرت نے بڑے ہی احترام کیساتھ قبول کیا، مجلس میں سے کسی نے کہا: ''وہاں بھی لوگ دوسرے ملکوں سے لے جا کر بیچتے ہیں'' حضرت نے بڑی عقیدت اور عالم کیف میں فرمایا: ''میاں کیا ہوا اگر دوسرے ملک کا بھی ہے، مدینے کی ہوا تو کھا کر آیا ہے''۔

اللّٰہ اور رسولؐ کی نسبتوں کا پاس و لحاظ:

اس سلسلہ کے واقعات کے بیان کیلئے تو کاغذ کے دفاتر چاہئیں مخلوق خدا کو ''الخلق عیال اللّٰہ'' کی نظر سے دیکھتا پھر ان کے حق کی ادائیگی، ان کی تکالیف کا احساس خاص کر انسان کہ سب میرے آقا و مولیٰ جل شانہ کے بندے ہیں، سب کے دل اللہ تعالیٰ کے پڑوسی ہیں، اللہ تعالیٰ (جو ان کا محبوب حقیقی تھا) کے پڑوسی ہونے کو خیال کر کے وہ سب کا ادب فرماتے تھے، بچوں تک کا بھی ادب فرمایا کرتے تھے، خود کو سب سے حقیر اور سب کا خادم سمجھتے تھے، محافل میں عوام میں بیٹھنا پسند تھا، اسٹیج پر بیٹھنے سے گھبراتے تھے اور کبھی کبھی ایسے مواقع پر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

نام یوں پستی میں بالا تر ہمارا ہو گیا
جس طرح پانی کنویں کی تہہ میں تارا ہو گیا
(ذوقؔ)

فنائیت، خاکساری اور کتمان حال:

خاکساری اور خود کو کچھ نہ سمجھنا ان کی ایک ایک ادا سے ٹپکتا تھا، خاکساری کا تو یہ عالم کہ طالب علمانہ بود و باش اور معاملات رکھتے تھے، مسجد میں زمین پر سوتے تھے، باوجود اس کے کہ مسجد کا بل اپنے پاس سے ادا کرتے تھے، موسم گرما میں رات کو بجلی کا پنکھا استعمال نہ کرتے تھے، رات کو صحن مسجد میں ساری رات مچھر آپ کو کاٹتے رہتے، صرف ایک دستی پنکھا ہاتھ میں رکھتے تھے، بس اسی سے مچھر اڑاتے رہتے تھے، غالبًا اس کی وجہ شفقت علی الخلق رہی ہوگی کہ کیا سب لوگ بجلی کے پنکھوں ہی میں سوتے ہیں جو میں سوؤں۔

آپ کی مجلس اور رنگ مجلس:

حضرت کی مجلس کسی خشک مزاج عالم یا زاہد کی مجلس نہیں ہوتی تھی، وہاں سے تو۔

تو اے افسردہ دل زاہد یکے در بزم رنداں شو
کہ بینی خندہ بر لبہا و آتش پارہ در دلہا

(یعنی اے بجھے دل زاہد خشک، تو کبھی مئے کشانِ مئے معرفت کی مجلس میں تو آ کر بیٹھ کہ تو یہاں لبوں پر تو ہنسی دیکھے گا اور آگ کا ٹکڑا دلوں میں)۔

کے نغموں کی صدائیں آتی تھیں، ایسے ایسے ادبی لطیفے جنہیں سن کر بڑے بڑے ضبط کرنے والے بھی بے قابو ہو جاتے، حضرت بڑی متانت اور سکون کے ساتھ سنایا کرتے تھے، نصیحت کی کڑوی گولیاں پُر لطف حکایت کی شیرینی میں ملا کر دیا کرتے تھے، ساتھ ساتھ باطنی توجہ کو بھی بروئے کار لایا کرتے تھے، خواجہ حسنؔ نظامی دہلوی کی حکایتیں، حیدرآباد کے اور امروہہ کے نقالوں کے قصے، اولیاء اللہ کے علمی فوائد و لطائف سناتے اور استاد شعراء کے اشعار ایسے برمحل پڑھا کرتے کہ گویا وہ اسی موقع کے لئے لکھے گئے ہوں یا کہے گئے ہوں۔

حفظ مراتب:

حسب مراتب ہر ایک کا ادب واحترام اور اس کے ساتھ حسن سلوک فرمایا کرتے تھے، سب سے تواضع سے پیش آتے تھے، بزرگان دین اور علماء کرام کا ادب واحترام اور ان کی خدمت کرتے تھے، دینی طلبہ کا بھی ادب کرتے، ان کی خدمت اور دل

جوئی میں ہروقت کوشاں اور ساعی رہتے تھے، کلام الٰہی، دینیات کی کتابوں حتیٰ کہ کاغذ، قلم، روشنائی تک کا ادب، پاس ولحاظ فرماتے، اللہ کی نعمتوں کا شکر آپ کے رگ وریشے میں بسا ہوا تھا، چھوٹے سے چھوٹے بچے کو بھی اکثر لفظِ آپ کہہ کر خطاب کیا کرتے تھے، جب بیت الخلاء میں جاتے تو جیب کے سارے کاغذ، قلم، تسبیح سب نکال کر باہر رکھ جاتے، کاغذ کا ٹکڑا اگر زمین پر کہیں پڑا ہوتا تو خود اٹھا لیتے یا کسی سے اٹھوا لیتے، اگر چہ کسی بھی زبان کا کاغذ ہوتا اور فرمایا کرتے: ''کاغذ علم کا ذریعہ ہے، اس کا ادب ضرور چاہئے'' کاغذ میں جوتے نہ لپیٹنے دیتے، سفر میں جس تھیلے میں کتابیں رکھواتے اس میں تہبند ہرگز نہ رکھنے دیتے، یہ بھی فرماتے تھے کہ کتابیں سلیقے سے رکھنا، سیکھنے کیلئے میں نے دارالعلوم دیوبند کے کتب خانے میں تین ماہ بطور اجیر کام کیا ہے، اکابرین بزرگان دین کی ہر چیز کا ادب واحترام کیا کرتے تھے، اسی سلسلہ میں کبھی کبھی یہ فرمایا کرتے: ''خنزیر جب کسی گلشن میں داخل ہوگا تو بجائے پھول سونگھنے کے وہاں گندگی ہی تلاش کرے گا، انسان دوسرے کی خوبیاں دیکھے اور اپنی برائیاں''۔

اِدْفَعْ بِالَّتِی ھِیَ اَحْسَنُ پر عمل:

اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کوئی کھلا جھوٹ بولتا تو بجائے یہ کہنے کے تم جھوٹ بول رہے ہو، فرماتے: ''دیکھو یہ بات زیادہ ہے، یہ بات میں نہیں سنوں گا'' اگر کسی کی غیبت آپ کی محفل میں ہونے لگتی تو گفتگو کا رخ کسی دوسری بات کی طرف پھیر دیتے تھے تاکہ غیبت کنندہ کی دل شکنی بھی نہ ہو اور غیبت بھی بند ہوجائے، جس کو نصیحت فرماتے پہلے اس کے دل کی زمین کو اپنے حکیمانہ برتاؤ سے تخم ریزی کے قابل بناتے، پھر بڑی ہوشیاری کے ساتھ ہلکے پھلکے الفاظ میں نصیحت کا دانہ اس میں ڈالا کرتے تھے، مثلا اسی بات کی مناسبت سے کوئی واقعہ سنا دیا اور دبے لفظوں میں اپنی بات بھی کہہ دی، ایک صاحب ایک روز ملاقات کیلئے آئے تو ان سے دریافت فرمایا: ''میاں کتنے بچے ہیں؟ کیا کیا کررہے ہیں؟ کیا کیا نام ہیں؟ کس کی عمر کتنی ہے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''حضرت چار بچے ہیں، سب سے بڑا فلاں کام کرتا ہے، اس سے چھوٹا فلاں کلاس میں پڑھتا ہے، تیسرا فلاں درجے میں ہے اور سب سے چھوٹا بھی اب اسکول جانے لگا ہے'' حضرتؒ نے فرمایا: ''تین تو تم نے اپنے کام کے بنالئے ایک اللہ کے کام کے واسطے ہمیں دیدو، اسے علم دین کے لئے فارغ کردو، تمہاری بھی آخرت کا سامان ہوجائے گا''۔

تواضع اور فروتنی:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ وہ خاص صفت ہے کہ جس پر آپ کے تمام اخلاق کریمانہ اور کردار فاضلانہ کی بلند وبالا عمارت کھڑی ہے، اگر کوئی ان کے دور میں تواضع اور انکساری کے اعلیٰ ترین نمونے کو دیکھنے کا کسی سے متمنی ہوتا تو اس سے بلا کسی جھجھک کے کہہ سکتے تھے کہ جا امروہہ جاکر مفتی نسیم احمد فریدیؒ کو دیکھ لے یا جن اہل دل نے دیکھا ہے ان سے معلوم کرلے، شفقت، محبت، خلوص اور انکساری کے تیروں سے وہ خلق خدا کے دلوں کا شکار کیا کرتے تھے، آپ فرمایا کرتے تھے: ''آدمی کے اخلاق ایسے ہوں کہ دوسروں کے دلوں میں مع جوتوں کے اتر جائے'' واقعہ بھی یہی ہے کہ ان کا ہر جاننے والا ملنے والا یہی سمجھتا تھا کہ حضرت کو میرے ساتھ خاص تعلق ہے: ؎

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میرؔ ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

(میرؔ)

طریقہ تبلیغ:

جب کسی شخص کی بری خصلتوں کا علم آپ کو ہوجاتا تو

دوسروں کو اس کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اس کا تذکرہ کرنا بھی ضروری اور اس کی دل آزاری جو کہ نہ گزیری ہے اور شریعت کی اگرچہ اجازت بھی ہے ایسے موقعوں پر حضرت کی حکمت عملی کار تبلیغ قابل دید ہوتی تھی کہ سانپ بھی مرجاتا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹتی، وہ شخص ان سے خوش بھی رہتا اور دوسروں کو اس کے شر سے بھی بچا لیتے، نہ کسی کی غیبت، نہ کسی کی دل آزاری، اور نہ ہی کسی طرح کے جھوٹ سے کام لیتے، جھوٹ تو آپ مصلحتاً بھی شاید کبھی بولے ہوں، انتقال سے ایک روز قبل فرمایا: ''اللہ تعالی نے مجھ کو تین باتوں سے جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے محفوظ فرمایا ہے، ان سے ایک یہ ہے کہ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، ایسے موقعوں پر اکثر تو وہ زبان کے بجائے دل سے کام لیا کرتے تھے، پھر محبت میں ڈوبی ہوئی ان کی کڑوی سے کڑوی بات بھی میٹھی لگتی تھی، وہ ہر ایک سے اللہ واسطے کی ایسی محبت رکھتے تھے کہ کوئی بدنصیب ازلی ہی ہوگا جسے ان پر اپنی خیر خواہی کا اعتماد نہ ہو، جسے لوگ بہت برا آدمی سمجھتے حضرت اس میں بھی کتنی خوبیاں اپنے حسن ظن سے ڈھونڈ لیتے تھے، ان کا یہی حسن ظن کتنے بروں کو اچھا بنا دیتا تھا، مثلاً کوئی شخص دنیا میں زیادہ منہمک ہوتا تو فرماتے: ''بڑے منتظم آدمی ہیں، ان میں عقل معاش زیادہ ہے'' اگر کوئی کم عقلی کی باتیں کرتا تو فرماتے: ''سیدھے آدمی ہیں'' اگر کسی میں غصہ دیکھتے تو فرماتے: ''مرچوں کا قصور ہے، چائے کا اثر ہے'' میں حضرت کے زمانہ حیات دنیوی میں جب کہ وہی وقت خصوصیت سے آپ کی صحبت میں رہنے کا تھا) بغرض ملازمت دارالعلوم دیوبند چلا گیا، کسی نے شکایتاً یا حکایتاً کہا کہ وہ ایسے وقت میں آپ کے پاس سے چلا گیا، تو حضرت نے فرمایا: اس کے اوپر قرضہ بہت ہو گیا ہے، اسی لئے مجبوراً گیا ہے، ورنہ ہرگز نہ جاتا، وہ خود سچے تھے، ان کا ظاہر باطن یکساں تھا، سب سے محبت کرتے تھے، سب کے محسن تھے، سب کے ہمدرد تھے، سب کے خادم تھے، سب کے درد کو اپنا درد سمجھتے تھے، سب کو سچا اور محبت والا ہی سمجھتے تھے، جب تک کوئی بالکل ہی واضح بات سامنے نہ آ جائے کسی سے بدگمان نہ ہوتے تھے، اس واضح بات کی بھی حتی الامکان تاویل فرمایا کرتے تھے، اگر کسی نے حضرت کا کوئی کہنا نہ کیا یا ٹال دیا، تو سوچتے اس کی کیا مجبوری ہے، مجھ سے تو کوئی ایسی بات نہیں ہوگئی جس سے اس کا دل دُکھ گیا ہو، اُن کے اسی حسن ظن اور حد درجہ حلیم مزاج نے متعلقین کو جری کر دیا تھا کہ ان کی بات ٹالنا کوئی اہم بات نہیں سمجھتے تھے، اس طرح وہ دنیا جہان کے ناز اٹھاتے تھے چاہے کوئی بلا سے ان کی ناز برداری نہ کرے، آخری زمانہ حیات میں اپنی مسجد کے حجرے میں رہنے والے ایک پردیسی طالب علم سے بڑے درد کے ساتھ فرمایا: ''میاں اب میں اس لائق نہیں رہ گیا ہوں کہ کسی کے ناز اٹھا سکوں''۔

جذب و محبت الٰهی:

جلوتوں میں اکثر مسکراہٹوں کی گل افشانی کرنیوالے حضرتؒ کے سوز دروں کا کچھ اندازہ اُن اشعار سے ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً حضرت کی زبان مبارک سے بڑے درد بھرے لہجے میں نکلتے تھے، ایک بار مرزا مظہر جان جاناںؒ کا یہ شعر پڑھا جس سے آپ کی کیفیت باطنی کا خلوتوں کی اشک باری اور آہ و زاری کا سراغ ملتا ہے: ؎

الٰہی درد و غم کی سرزمیں کا حال کیا ہوتا
محبت گر ہماری چشم نم سے مینھ نہ برساتی

(مظہرؒ)

اسی رونے کا اثر تھا کہ آپ کی آنکھوں کے پردے گل گئے تھے اور گرم گرم آنسوؤں سے چہرے پر دونوں رخساروں پر کالے رنگ کی نالیاں سی بن گئی تھیں، ایک بار آنکھیں بنوانے سیتاپور کے

مشہور اسپتال گئے، ڈاکٹر نے کہا: ''آنکھیں بن جائیں گی مگر آپ پڑھ نہیں سکتے، دور کی چیز دیکھ سکتے ہیں'' آپ نے کہا: ''ایسی آنکھیں بنوانے سے کیا فائدہ جن سے پڑھ نہ سکیں'' اور واپس آ گئے۔

نظافت، لطافت اور خوشبو پسندی:

عطر اور پھولوں کی تو بات ہی کیا، حضرت کی خوشبو پسندی کا یہ حال تھا کہ وہ پھل بہت پسند تھے جن میں خوشبو ہو، کالی مرچ اور الائچی وغیرہ کو خوشبو کی غرض سے چبا کر استعمال فرمایا کرتے تھے، خوشبو دار پیڑوں کے پتّوں کو سونگھا کرتے تھے، پُروا ہوا چلتی تو طبیعت بڑی ہشاش بشاش نظر آتی اور بعض اوقات باوجود اخفاء حال کے یہ شعر زبان پر آ جاتا تھا: ؎

نسیم خلد می وَزَد مگر بہ جوئے بار ہا
کہ بوئے مشک می دِہد مگر بہ مرغزار ہا

بار ہا خوشبو استعمال نہ کرنے کے باوجود بھی ایک خاص قسم کی خوشبو کا احساس ان کے ہم صحبت کیا کرتے تھے۔

فقر و قناعت:

وہ فقر و قناعت کی مجسّم تصویر تھے، ان کا یہ فقر اختیاری تھا، ورنہ تو وہ ایک زمیندار امیر فاروقی گھرانے کے چشم و چراغ تھے، ان کے پاس صرف ۳/ جوڑی کپڑے رہتے؛ ایک پہنے ہوئے ہوتے، ایک جوڑی دُھلے رکھے ہوتے اور ایک جوڑی دھوبی کے یہاں، ایک لوٹا تھا کہ وہ کئی کام دیتا تھا، ایک لکڑی کا کٹھوتا جس پر گھر میں بیٹھ کر وضو اور غسل کیا کرتے تھے، سفر میں ایک تھیلا کپڑے کا سلا ہوا جس میں ان کا کل سامانِ سفر ہوتا تھا، صبح کو ناشتے میں اکثر باسی روٹی کا استعمال فرماتے اور فرمایا کرتے کہ باسی روٹی میں خیر زیادہ ہے، یہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے قریب ہے، سادہ کھانے آپ کو زیادہ پسند تھے، حتی الامکان گوشت، مرغ، انڈا، مچھلی، گرم غذائیں استعمال نہ فرماتے، الا یہ کہ کسی کی دلداری ہی منظور ہو تو اور بات تھی، چٹنی، اچار بہت مرغوب تھا، ان چیزوں کا استعمال قوت باہ کو ختم کرنے کی نیت سے کیا کرتے تھے کہ آپ نے بعض ذاتی وجوہ سے کوئی نکاح نہ کیا تھا، آپ کے دو شعر بھی آپ کی اس صفت فقر و قناعت کا پتہ دیتے ہیں، اپنی نعت شریف کے شعر میں فرماتے ہیں: ؎

زندگی جس کی غریبوں کے لئے وجہِ سکوں
ہم غریبوں کا بھی اس شاہ غریباں کو سلام

(فریدیؒ)

نعت شریف کے ہی ایک دوسرے شعر میں فرماتے ہیں: ؎

لباس فقر میں شان نبیؐ معلوم ہوتی ہے
کہ پائے ناز پر دنیا جھکی معلوم ہوتی ہے

(فریدیؒ)

رنگ اصلاح و تربیت:

آپ کا انداز اصلاح بھی نرالا تھا، جو کچھ کہتے الفاظ کو محبت کے پانی سے دھو کر کہتے، ایک بار میں حضرت سے بغیر کہے دو دن تک اپنے گاؤں سے امروہہ نہ آیا اور کتب خانے کی چابی میرے پاس ہی تھی، کتابیں اور مطالعہ تو حضرت کی جان ہی تھا، کسی کتاب کی ضرورت پڑی، چابی میرے پاس کیا کریں؟ حضرت پر جو بیتی، اللہ ہی کو معلوم، جب میں چوتھے دن حضرتؒ کی خدمت میں پہنچا، ہم حضرت کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ مجھ سے کہا: ''میاں فخر الاسلام کیوں نہ آئے تھے؟'' میں نے جھوٹ بولا: ''حضرت طبیعت ٹھیک نہ تھی، اس پر عجیب پیار اور شکایت سے بھرے لہجے میں فرمایا: ''میاں میں بہت بڑا سِول سرجن ہوں، تم جیسے کتنے ٹھیک کر دئے'' حضرت کو کشف بہت ہوتا تھا، اسی کشف سے پریشان ہو کر ایک بار فرمایا میں بداخلاق ہو گیا ہوں، لوگوں کے دلوں میں جھانکتا ہوں، میں نے اللہ تعالی سے بہت دعا کی کہ مجھ

سے یہ کشف چھین لے مگر قبول نہ ہوئی، اور یہ لوٹ لوٹ کر میرے پاس آ جاتا ہے، میرا غصہ بڑھا جاتا ہے، یہ سن کر گویا میں ندامت کے دریا میں ڈوب گیا اور عرض کیا: ''حضرت میں بیمار نہ تھا، میں نے جھوٹ بولا، بس لاپرواہی اور آپ کی صفتِ نظر اندازی نے یہ جرأت دلائی'' ایک بار میں نے عرض کیا: ''حضرت مجھے بھول بہت ہوتی ہے''ہنس کر فرمایا: ''میاں بھول پر دھول ڈال دو، یہ گناہوں کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے، استغفار کیا کرو''۔

بے تکلفی اور سلامتیِ قلب:

کھانے کے موقع پر اگر کوئی ملنے پہنچ جاتا تو اس سے فرماتے: ''آؤ کھانا کھالو'' اگر وہ کہتا کہ حضرت مجھے بھوک نہیں ہے تو بالکل اصرار نہ فرماتے تھے، ایک بار نماز کی جماعت میں تھوڑا وقت تھا، گھر سے کھانا آ گیا، مگر پلیٹیں نہ آئی تھیں، فرمایا: ''بھگونے کے ڈھکن پر نکال کر کھالو اور یہ شعر پڑھا''۔ ؎

ساقی ترے میخوار تکلف سے بری ہیں
لا اُوک سے پی لیں گے جو ساغر نہیں ملتا

خود داری اور غیرت دینی:

امروہہ سے ایک تبلیغی جماعت قصبہ حسن پور گئی، نواب یوسف علی خاں صاحب نے جماعت کی دعوت کی، دستر خوان پر مختلف کھانوں میں اڑد کی دھلی دال بھی تھی، نواب صاحب بذات خود مہمان نوازی فرما رہے تھے، حاجی علاء الدین صاحب صرف اڑد کی دال ہی لے رہے تھے، نواب صاحب ان سے دوسری اشیاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگے: ''یہ بھی لیجئے، یہ بھی لیجئے'' بس اتنی ہی بات سے حضرت والا خفا ہوگئے اور کہا: ''نواب صاحب! جب آپ نے سب چیزیں سامنے رکھ دیں اب مہمان کو جو پسند آئے گا لے لے گا، آپ کو کہنے کی ضرورت نہیں (یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب آپ کی بینائی سلامت تھی) ایسا ہی ایک واقعہ راقم الحروف کے سامنے حکیم عبد الصمد حاجی پوری (جو حضرت مولانا محمد منظور نعمانی سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ کے برادر نسبتی تھے) کے یہاں پیش آیا، غالباً اس سے یہ تعلیم مقصود تھی کہ مہمان کے سامنے ایسی بات نہ کی جائے جس سے اس کی سبکی اور دل آزاری ہو، ایک اور دعوت میں امروہہ ہی میں ایک بے تکلف دوست نے دوسرے دوست سے دستر خوان پر مذاقاً کہا: ''ابے کب تک کھائے گا؟'' بس حضرت کا ہاتھ رک گیا اور فرمانے لگے: ''نا، نا دستر خوان پر کسی سے ایسی بات نہ کہنی چاہئے'' میں نے کہا: ''حضرت آپ نے کیوں ان کی بات سے ہاتھ روک لیا، یہ مذاق کر رہے ہیں'' فرمایا: ''میاں ایسا مذاق اچھا نہیں'' ایک بار آپ کے ایک ملاقاتی دہلی سے ایک خاص قسم کے بسکٹ لائے اور خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہنے لگے: ''حضرت یہ چائے کے ساتھ کھائے جاتے ہیں'' حضرت نے فرمایا: ''اٹھاؤ میں نہیں لیتا، کیا ہم نے کبھی بسکٹ کھائے ہی نہیں ہیں'' اور باوجود حد درجہ اصرار کے قبول نہ کئے، اُنکے چلے جانے کے بعد فرمایا: ''ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے'' اور پھر جگر مرادآبادیؒ کا یہ شعر مکمل سنایا: ؎

کیا حسن نے سمجھا ہے کیا عشق نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے

(جگرؔ)

استغناء اور خود داری کے ایسے واقعات آپ کی مجلس میں پیش آتے ہی رہتے تھے، اگر کسی کے برتاؤ، طرز عمل یا گفتگو سے آپ یہ محسوس فرماتے کہ اس سے دین، اہل دین، علماء، صوفیاء کی حقارت اور سُبکی کا کوئی پہلو عوام یا امراء کی نظر میں پیدا ہوسکتا ہے تو باوجود ضبط شدید کے آپ کا رنگ فاروقی چھلک ہی جاتا تھا۔

شان جمال اور شان جلال کی آمیزش نے آپ کی شخصیت کو بڑا ہی دل آویز بنا رکھا تھا۔ آہ! آہ!

تیری صورت سے نہیں ملتی کسی کی صورت
ہم جہاں میں تیری تصویر لئے پھرتے ہیں

نیاز مندی اور شان استغناء کی تھانوی صفات سے ذوقیالی کے عالم میں ہی آپ نے ایک دن فرمایا تھا: ''میں جانتا ہوں کہ حضرت تھانویؒ کیا تھے'' ناز و نیاز کی یہ جلوہ آرائیاں آپ کی محفل روز وشب کی باتیں تھیں، کبھی شعلہ کبھی شبنم، کبھی عالم بے نیازی کی خودداریاں، تو کبھی بندگی کی لاچاریوں اور فنائیت کے مظاہرے، ابھی مسکراہٹوں کی بارش ہے تو ابھی جلال فاروقی کی کڑک دار بجلیاں کوندرہی ہیں، کبھی دلدوزی تو کبھی دل سوزی، کبھی جوڑنا تو کبھی توڑنا، توڑ کر پھر جوڑنا: ع

''کبھی اعتراف قصور ہے کبھی طاعتوں کا سرور ہے''
(محمد احمد)

استغناء اور خود داری کی ایک ادا یہ بھی تھی کہ جب کھانے سے ہاتھ کھینچ لیتے تو کوئی کتنا بھی اصرار کرتا پھر کچھ نہیں لیتے تھے، یہ سارے ناز نخرے علم اور اہل علم کی شان استغناء کے مظاہرے تھے کہ بعض لوگ علماء کو حریص اور طمّاع سمجھتے ہیں، اسی وجہ سے رکشے والوں سے کرایہ طے کرنے کے بعد دیتے وقت اپنے شیخ حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کرایہ بڑھا کر دیا کرتے تھے، جب کوئی امیر آدمی کہتا حضرت ہمارے یہاں تشریف لائیں تو فرماتے تھے: ''پہلے آپ ہمارے یہاں تشریف لائیں'' سب چندہ مانگنے والوں کو چندہ دیتے تا کہ لوگوں کے دلوں میں علماء کی عظمت قائم ہو، یہ تصویر نہ بنے کہ علماء بس چندہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔

قرآن پاک اور حفاظ قرآن کا ادب:

حضرت کسی حافظ قرآن سے جسمانی خدمت لینا پسند نہ فرماتے تھے، فرماتے تھے کہ حضرت تھانویؒ نے فرمایا ہے: ''کعبہ مظہر تجلیات ربانی ہے، اور حافظ کا سینہ حامل صفات ربانی ہے''۔

آداب عیادت:

اگر کسی نے آپ کے سامنے بخار زدہ سے یہ کہہ دیا: ''بخار بہت ہے، بڑے کمزور ہو گئے ہو'' تو بہت خفا ہوتے، فرماتے: ''ایسی بات نہیں کہنی چاہئے کہ جس سے مریض کو راحت پہنچنے کے بجائے الٹی تکلیف پہنچ جائے'' مرض الوفات میں جب ایک صاحب نے مصافحے کیلئے آپ کے دست مبارک تھامنے چاہے تو آپ نے بڑی مشکل سے ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے فرمایا: ''میاں مریض سے مصافحہ کرنا ضروری نہیں جبکہ اس کو تکلیف ہوتی ہو''۔

''كَلِّمُوا النَّاسَ عَلٰى قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ'' پر عمل:

یہ آپ کا مزاج بن گیا تھا کہ جن سے مخاطب ہوتے ان کی رعایت یہاں تک فرماتے کہ انہی کی بولی بولنے کی کوشش فرمایا کرتے تھے، ایک صاحب سے جو طالب علم تھے فرمایا: ''میں کہاں تک نیچے اتر کر بات کروں؟'' بچوں میں بچے، جوانوں میں جوان، بوڑھوں میں بوڑھے، سیاسی لیڈروں میں سیاست دان، شاعروں میں شاعر، صوفیوں میں صوفی، غرض جو جیسا ہوتا اس سے اسی رنگ کی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔

آپ کی دعاء:

دعاء میں چھوٹے چھوٹے جامع کلمات استعمال کرتے تھے جو ان کے درد دل کے غمّاز ہوتے تھے: ''اے اللہ! سارے عالم کے مسلمانوں کو ایک کردے، نیک کردے، مسلمانوں کو عقل سلیم عطا فرما، محسن کی شناخت عطا فرما، ہم سے ایسے کام لے لے جن سے تو اور تیرا حبیب راضی ہوں، حرمین شریفین کی حفاظت فرما، بیت المقدس کو دوبارہ مسلمانوں کے حوالے کردے، جتنی جماعتیں کام کررہی ہیں سب کو کامیاب فرما، سارے عالم کے مدارس دینیہ حقّہ کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرما، اسلام کے خلاف جو باطل

طاقتیں نبرد آزمائی کر رہی ہیں ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے، یہودیوں کے پروپیگنڈوں کو خاک میں ملا دے، ملیامیٹ کر دے، جو بزرگان دین اس دنیا سے چلے گئے ہیں ان کی قبروں کو نور سے بھر دے اور جو زندہ ہیں ان کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم رکھنا، ان دعاؤں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں قبول فرمانا، یہ جملہ دوران دعاء کئی بار فرماتے'' (مجمع میں) دعا کا ہر ہر لفظ جدا، جدا، صاف، صاف ٹھہر ٹھہر کر کہتے تھے، دعاء کے آخر میں فرماتے: ''جب نبض ساکت ہو رہی ہو، طائر روح مائل پرواز ہو، اس وقت خاص طور پر ہماری زبان پر کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' جاری فرمانا، ہمارا خاتمہ ایمان پر کرنا، اپنے حبیب کی شفاعت نصیب فرمانا'' دعاء کے آخر میں حضرت امیر مینائیؒ کا یہ قطعہ بھی اکثر پڑھنے کا معمول تھا: ؎

اے خدا جسم میں جب تک کہ مری جان رہے
تجھ پہ صدقے تیرے محبوب پہ قربان رہے
شامیانہ پر جبریل کا ہو تربت پر
کُشتہ عشق محمدؐ کی یہ پہچان رہے
کچھ رہے یا نہ رہے پر یہ دعاء ہے کہ امیرؔ
نزع کے وقت سلامت مرا ایمان رہے

معیت حق و حضوری:

ایک روز بڑے پُر جوش رنگ میں خواجہ درد دہلوی کا یہ شعر پڑھا: ؎

دل بَر ہے بَر میں الحمد للہ
سب کچھ ہے گھر میں الحمد للہ

دل بَر سے مراد یہاں ذات الٰہی کی تجلی ہے۔

ایک دن آپ نے بوستاں پڑھاتے ہوئے ان طلباء کے بارے میں پوچھا جو آپ سے مسجد میں پڑھا کرتے تھے: ''میاں یہاں کون کون ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''فلاں فلاں ہے، میں ہوں اور آپ ہیں'' آپ نے عجیب خودفراموشی اور عالم وارفتگی میں فرمایا: ''اور اللہ بھی تو ہے'' ایک دن صحن مسجد میں بیٹھے کوئی کتاب املاء کرا رہے تھے، اچانک اٹھے اور ٹین کے برآمدے میں چلے گئے، جب میں قریب پہنچا تو دیکھا کہ آپ حضرت سرمدؔ کا یہ قطعہ عجیب سرور و مستی کے ساتھ پڑھ رہے ہیں: ؎

ہر کس بخیال او ہم آغوش بُوَد
دیوانہ نماید ہمہ پُر ہوش بُوَد
کیفیت ایں نشہ بکس ظاہر نیست
ایں بادہ نہاں ہمہ در جوش بُوَد

ترجمہ: جو شخص کہ اُس محبوب حقیقی کے خیال سے ہم آغوش ہوتا ہے وہ عالم مستی میں دیوانہ نظر آتا ہے، ورنہ وہ سراپا ہوش در ہوش ہوتا ہے، نشئہ حب الٰہی کی کیفیت بظاہر بے کیف اور پوشیدہ ہوتی ہے، کسی پر ظاہر نہیں ہوتی، حالانکہ یہ پوشیدہ مئے ہر وقت جوش زن رہتی ہے۔

حضرت والا (مولانا محمد عمر قاسمی مدظلہ العالی) کے ارشاد کی تعمیل میں ان کی توجہ کے صدقے یہ چند اوراق صاحب تذکرہ کی برکت سے تحریر میں آ گئے ہیں ورنہ ''بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ'' کے جرعہ نوشوں کے سوانح، ان کی سیرت، ان کے اخلاق و احوال کا بیان کرنا ایک ناخواندہ، ان صفات سے کوسوں دور انسان کا کہاں کام ہے؟

کہاں میں اور کہاں وہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی
گر قبول افتد زہے عز و شرف۔ والسلام

❁❁❁❁

انعامات

’’حوض کوثر‘‘ امت محمدیہ کیلئے ایک عظیم نعمت

مولانا محمد عمر قاسمی مجاہد پوری

کوثر کے معنی:

اللہ وحدہ لاشریک نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے:
’’انااعطیناك الکوثر‘‘ بےشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمائی۔
کوثر کے معنی خیر کثیر کے ہیں، یعنی ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمائی، اللہ تعالی نے آپ کو نبوت سے نوازا، سید الانبیاء والرسل بنایا، قرآن کریم عطا فرمایا، بہت بڑی امت آپ کے تابع بنائی، آپ کا دین سارے عالم اور ساری اقوام میں پھیلایا اور آخرت میں آپ کو بہت بڑی خیر سے نوازا، اور مقام محمود بھی عطا فرمایا، ان نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت وہ حوض کوثر بھی ہے جو اسی نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے۔

میدان محشر میں تمام اولین وآخرین کروڑہا کروڑ، اربہا ارب جنات وانسان حساب کے لئے سب بیک وقت جمع ہوں گے اور ہر ایک شخص ایک دوسرے کو دیکھتا ہوگا اور ہر کارروائی کا مشاہدہ کرتا ہوگا، اس دن جسے عزت ملے گی اس سے بڑھ کر کوئی عزت نہیں، اور جو بدنصیب اس دن ذلیل ہوجائے گا اس سے بڑھ کر کائنات میں کوئی ذلیل نہیں۔

محشر کے دن کی طوالت:

محشر کا دن عام دنوں کی طرح نہیں ہوگا بلکہ دنیا کے دنوں کے اعتبار سے اس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی جیسا کہ سورۂ معارج میں ارشاد فرمایا گیا ہے: ’’تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ‘‘

ترجمہ: فرشتے اور روحیں اس کے پاس چڑھ کر جاتی ہیں، ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہوگی، یہ دن کافروں کے لئے پچاس ہزار سال کا ہوگا اور وہ دن مومنوں پر ہلکا کردیا جائے گا، یہاں تک کہ جو دنیا میں ایک شخص نماز پڑھتا ہے اس سے بھی زیادہ ہلکا کردیا جائے گا یعنی ایک فرض نماز گزرنے کے بقدر ہلکا کردیا جائے گا۔ (مشکوۃ شریف)

میدان محشر میں جب کہ پیاس کی شدت حد سے تجاوز کر رہی ہوگی تو حضرات انبیاء علیہم السلام کو الگ الگ حوض عطا کیا جائے گا تاکہ وہ اپنے مومن امتیوں کو پانی پلائیں اور ان کی پیاس بجھائیں، اس دن سب سے بڑا حوض اور پینے والوں کا سب سے بڑا مجمع ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کوثر پر ہوگا اور آپ وہاں بنفس نفیس تشریف فرما ہوکر اپنی امت کو سیراب فرمائیں گے، اے ارحم الراحمین حضرت امام الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے ہم سیاہ کاروں کو بھی جام کوثر عنایت فرمائیے۔

میدان محشر میں انبیاء علیہم السلام کے حوض:

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر نبی کا الگ الگ حوض ہوگا اور وہ اس بات پر فخر کریں گے کہ کس کے پاس کتنے زیادہ پینے والے آتے ہیں، اور مجھے امید ہے کہ میں ہی ان میں سب سے زیادہ سیراب کرنے والا ہوں گا (یعنی میرے ہی پاس سب سے زیادہ پینے والے آئیں گے)۔

رحمته للعالمین ﷺ کا حوض کتنابڑا ہوگا :

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرا حوض اتنا بڑا ہے جتنا عدن اور عمان کے درمیان فاصلہ ہے، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور شہد سے زیادہ میٹھا ہے اور مشک سے بہتر اس کی خوشبو ہے، اس کے پیالے آسمان کے ستاروں سے بھی زیادہ ہیں جو اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا اس کے بعد کبھی بھی پیاسا نہ ہوگا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حوض کی وسعت کئی طرح ارشاد فرمائی ہے کہیں ایک ماہ کی مسافت کا فاصلہ اس کی طرفوں کے درمیان فرمایا یعنی میرے حوض کا طول وعرض اتنا زیادہ ہے کہ اس کی ایک طرف سے دوسری طرف جانے کے لئے ایک ماہ کی مدت درکار ہے، کہیں عمان اور عدن کے درمیان فاصلہ سے بھی اس کی تشبیہ دی، کہیں کچھ اور فرمایا، ان مثالوں کا مقصد حوض کی وسعت کو سمجھانا ہے، پیمائش کی ہوئی مسافت بتانا مرادنہیں ہے، اہل مجلس کے لحاظ سے وہ مسافت اور فاصلہ ذکر فرمایا جسے وہ سمجھ سکتے تھے، حاصل روایت کا یہ ہے کہ اس حوض کی مسافت سینکڑوں میل ہے۔

حوض کوثر پر امتیوں کی شناخت کیسے ہوگی؟:

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حوض کوثر کی صفات بیان فرمارہے تھے، درمیان میں یہ بھی فرمایا کہ میں اس دن حوض پر کھڑے ہوکر غیر امتیوں کو اس طرح ہٹارہا ہوں گا جیسے کوئی شخص اپنے ذاتی جانوروں کے پانی پلانے کی جگہ سے غیروں کے جانوروں کو ہٹاتا ہے، یہ سن کر صحابہ کرام نے بڑی حیرت سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آپ اس دن اتنے بڑے عظیم مجمع اور بھیڑ میں ہمیں پہچان لیں گے تو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری سنائی۔

جی ہاں تمہاری ایسی نشانی ہوگی جو کسی اور امتی کے لئے اس طرح کی نشانی نہ ہوگی، تم میرے حوض پر وضو کے اثر سے چمکتے اعضاء کے ساتھ آؤ گے، معلوم ہوا کہ کثرت سے اور اہتمام سے وضو کرنا میدان محشر میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کے امتیاز کا سبب ہوگا اور اس کے ذریعہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتی کو دیکھتے ہی پہچان لیں گے۔

سب سے پہلے حوض کوثر سے سیراب ہونیوالے:

ہر امتی انشاء اللہ حوض کوثر سے سیراب ہوگا؛ لیکن کچھ خوش نصیب اور سعادت مند حضرات ایسے بھی ہوں گے جن کو سب سے پہلے سیراب ہونے کا اعزاز ملے گا، ان کی صفات بیان کرتے ہوئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب سے پہلے حوض کوثر پر آنے والے مہاجرین فقراء حضرات ہوں گے جو (دنیا میں) پراگندہ بال والے اور میلے کچیلے کپڑے والے ہوں گے، جو ناز ونعم میں رہنے والی عورتوں سے نکاح نہیں کرتے اور گھر کے دروازے ان کے لئے کھولے نہیں جاتے (ان کی دنیوی بے سروسامانی کی وجہ سے) یعنی ان کی بے کسی دیکھ کر کوئی ناز ونعمت میں پلنے والی عورت ان سے نکاح کرنے پر تیار نہ ہوگی اور وہ اگر کسی کے دروازے پر جائیں گے تو ان کے لئے لوگ دروازے کھولنا بھی پسند نہ کریں گے، دنیا میں تو ان کی مسکنت کا یہ حال ہوگا اور آخرت میں ان کا وہ اعزاز واکرام ہوگا کہ سب سے پہلے حوض کوثر پر بلائے جائیں گے "ذلك فضل الله يوتيه من يشاء" یہ عاجزی اور مسکنت قرب خداوندی کا ذریعہ ہے۔

بے عمل اور بدعتی حوض کوثر سے دھتکار دیئے جائیں گے :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میدان محشر میں اللہ تعالی کی طرف سے ستر ہزار فرشتے اس کام پر مقرر

ہوں گے کہ کوئی کافر یا غیر مستحق انبیاء علیہم السلام کے حوض سے سیراب نہ ہونے پائے ، چنانچہ حوض کوثر پر بھی بڑی تعداد میں فرشتوں کا پہرہ ہوگا ، اس درمیان یہ صورت پیش آئیگی کہ بعض لوگ جو ظاہری نشانیوں سے مسلمان معلوم ہوتے ہوں گے حوض کوثر کی طرف بڑھ رہے ہوں گے مگر فرشتے انہیں دور سے ہی روک لیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دیکھ کر فرشتوں سے فرمائیں گے یہ تو میرے آدمی ہیں (انہیں کیوں روکتے ہو) تو فرشتے جواب دیں گے کہ حضرت آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا (برے عمل کئے ہیں) یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں دھتکار دیں گے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر رہوں گا جو وہاں حاضر ہوگا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا اور میرے سامنے کچھ ایسے لوگ آئیں گے جنہیں میں جانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ کردی جائیگی تو میں کہوں گا کہ وہ تو میرے لوگ ہیں، تو جواب میں کہا جائے گا کہ آپ کو معلوم نہیں کہ انہوں نے آپ کے پیچھے کیا کیا کارستانیاں کی ہیں تو میں کہوں گا بربادی ہے بربادی ہے اس شخص کے لئے جس نے میرے بعد دین میں تبدیلی کا ارتکاب کیا۔

دین میں نئی نئی باتیں نکالنے والوں کا اس وقت کیسا برا حال ہوگا جب کہ قیامت کے دن پیاس سے بے تاب اور عاجز و بے کس ہوں گے اور حوض کوثر کے قریب پہنچ کر دھتکار دیئے جائیں گے اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کی ایجادات کا حال سن کر دور ہو دور ہو فرما کر پھٹکار دیں گے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صاحب ایمان امتی حوض کوثر سے پانی پیئے گا اور جو شخص حوض کوثر سے پانی پی لے گا وہ پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا، اور حوض کوثر سے سیرابی کے بعد ہی پلصراط سے گزرنا ہوگا اور اہل کبائر کے جہنم میں جانے کا فیصلہ ہوگا اور اہل کبائر جہنم میں پہنچنے کے بعد کیا پیاس سے محفوظ رہیں گے؟۔

محدثین حضرات نے اس اشکال کا یہ جواب دیا ہے کہ جن اہل کبائر کا جہنم میں جانا مقدر ہو چکا ہے، اور وہ حوض کوثر کا پانی پی چکے ہوں گے تو اللہ تعالی ان کو جہنم میں پیاس کے علاوہ دیگر طریقوں سے عذاب دے گا اور وہ حوض کوثر کا پانی پینے کی وجہ سے پیاس کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ واللہ اعلم

قرآن وحدیث میں جو کچھ وارد ہوا ہے اسی پر چلنے میں بھلائی اور کامیابی ہے، لوگوں نے سینکڑوں بدعتیں نکال رکھیں ہیں اور دین میں ادل بدل کر رکھا ہے، جن سے ان کی دنیا بھی چلتی ہے اور نفس کو مزہ بھی آتا ہے، مختلف علاقوں میں مختلف بدعتیں رواج پا گئی ہیں ایسے لوگوں کو اگر سمجھایا جاتا ہے تو سمجھانے والے ہی کو برا کہتے ہیں، ہم سیدھی اور موٹی سی بات کہہ دیتے ہیں کہ جو کوئی بھی کام کرنا ہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے فرمایا اسی طرح کریں اور جس طرح آپ نے کیا اسی طرح عمل کریں اور اپنے پاس سے کوئی عمل تجویز نہ کریں، دنیا دار، پیر فقیر یا علم کے جھوٹے دعویدار اگر کہیں گے کہ فلاں کام میں ثواب ہے اور اچھا ہے تو ان سے ثبوت مانگئے اور پوچھئے کہ بتاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے یا نہیں اور حدیث شریف کی کس کتاب میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرنا پسند تھا، اللہ تعالی ہم سب کو گمراہی اور بدعات سے محفوظ رکھے اور میدان محشر میں اعزاز کے ساتھ حوض کوثر سے سیرابی کا اپنے فضل وکرم سے موقع عطا فرمائے۔ آمین، ربناتقبل منا انك انت السميع العليم ۔

❑❑❑❑❑